

2 حقیقی پیداوار کا شعبہ

2.1 عمومی جائزہ

مالی سال 15ء کی پہلی سہ ماہی میں حقیقی پیداوار کے شعبے کی کارکردگی حوصلہ افزا معلوم نہیں ہوتی۔ بیشتر خریف فصلوں نے ہدف سے کم پیداوار دی جبکہ بڑے پیمانے کی اشیاء سازی کی نموبھی گری (سیکشن 2.3)۔ دوسری طرف خدمات کے شعبے نے ملے جلے نتائج دیے، مالی خدمات اور ٹیلی مواصلات کے شعبوں میں بہتری آئی تاہم ٹرانسپورٹ کا شعبہ کمزور رہا۔ تھوک فروشی اور خوردہ تجارت غالباً درآمدی حجم بڑھنے سے مستحکم رہی تاہم اس شعبے کی مجموعی کارکردگی کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ اجناس پیدا کرنے والے شعبے سال کے بقیہ حصے میں فعالیت دکھاپاتے ہیں یا نہیں۔

2.2 زراعت

جدول 2.1: خریف کی فصلوں کے پیداواری تخمینے			
ہزار ٹن			
م 14ء		م 15ء	
حقیقی	ہدف	حقیقی	ہدف
6,200	6,798	6,808	6,901
65,000	67,460	65,472	64,740
14,100	12,769	15,100	13,498

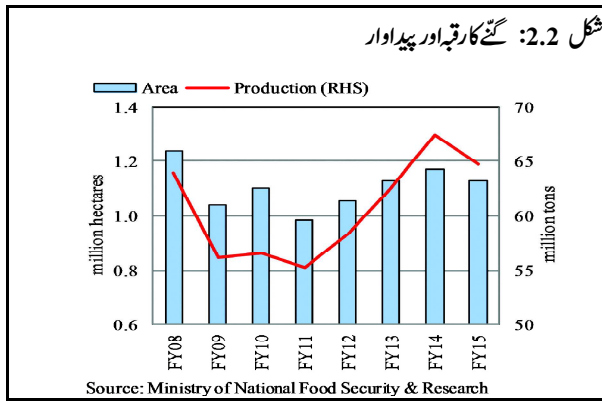
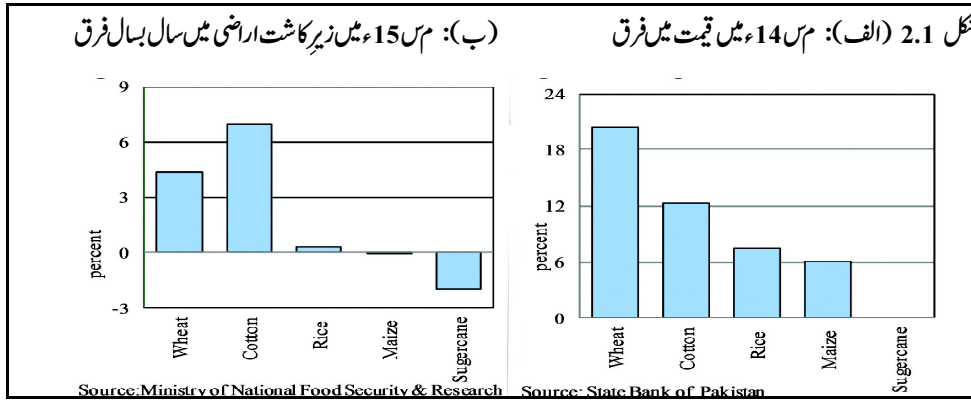
خریف کی فصلوں کے ابتدائی تخمینے حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ کپاس اور گنے کی فصل ہدف سے کم رہنے کی توقع ہے جبکہ معلوم ہوتا ہے کہ گنا گزشتہ سال کی سطح حاصل نہیں کر پائے گا۔ چاول اور کپاس کی پیداوار گزشتہ سال سے بالترتیب 1.5 فیصد اور 5.7 فیصد زائد رہنے کا امکان ہے۔

زرعی خام مال کے معاملے میں پانی کی دستیابی گزشتہ سال سے بہتر رہی جبکہ اپریل تا ستمبر 2014ء کے دوران کھاد (یوریا اور ڈی اے پی دونوں) کے استعمال میں کمی آئی۔ بینک قرضوں کا استعمال گزشتہ سال سے خاصاً بہتر ہوا۔

اہم فصلیں

معلوم ہوتا ہے کہ م 15ء کے دوران اجناس کے زرخوں اور زیر کاشت اراضی کے درمیان ایک طاقتور تعلق موجود ہے۔ کپاس اور چاول کا زیر کاشت رقبہ بڑھا (جس کا سبب گزشتہ سیزن میں فصلوں کے زرخوں میں ہونے والا اضافہ ہے) جبکہ گنے کو گزشتہ سال کی جامد قیمتوں کا نقصان ہوا (شکل 2.1)۔¹ یہ بات قابل ذکر ہے کہ گنے کے زیر کاشت رقبے میں گزشتہ چھ سال کے دوران پہلی بار کمی آئی، گزشتہ پانچ سال میں گنا وہ واحد فصل تھی جس نے سیلاب اور شدید موسمی حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے مضبوطی دکھائی۔ اس کے نتیجے میں فصل کا حجم بڑھتا رہا اور م 14ء تک 67.5 ملین میٹرک ٹن کی تاریخی بلندی پر پہنچ گیا۔

¹ گزشتہ سال کپاس کا زیر کاشت رقبہ بوائی کے وقت پانی کی قلت کے سبب متاثر ہوا تھا۔



بدقسمتی یہ ہوئی کہ بڑھتی ہوئی پیداوار نے کاشتکاروں کی آمدنی پر منفی اثر ڈالا، گئے کے نرخ جامد رہے، کیونکہ شوگر ملوں کے پاس شکر کا وافر ذخیرہ تھا۔ چنانچہ گئے کے نرخ خام مال کی لاگت بڑھنے کے باوجود تبدیل نہیں ہوئے۔² دراصل م 15ء م 09ء کا عکس معلوم ہوتا ہے جب گئے کے کاشتکاروں اور شوگر ملوں کے مابین نرخوں پر تنازع کی بنا پر گئے کا زیر کاشت رقبہ کم ہو گیا اور اس سے پچھلے سیزن گئے کی شاندار فصل ہوئی تھی۔

اس بات سے قطع نظر ہمارا خیال یہ ہے کہ گئے کی فصل کو پہنچنے والا نقصان م 09ء کے مقابلے میں م 15ء میں بہتر انتظامی اقدامات کے ذریعے کنٹرول کر لیا گیا۔ شوگر ملوں نے حکومت کی اجازت سے م 13ء اور م 14ء میں بھاری مقدار میں اپنے ذخائر برآمد کیے۔ چنانچہ م 15ء میں گئے کا زیر کاشت رقبہ کم ضرور ہوا تاہم م 09ء کے مقابلے میں حالیہ کی محدود رہی (شکل 2.2)۔ علاقائی اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ پنجاب کو دیگر صوبوں سے زیادہ نقصان ہوا کیونکہ آنے والے سیلاب سے بھی زیر کاشت اراضی کم ہو گئی۔³ جہاں تک سندھ کا تعلق ہے تو زیادہ وسیع رقبہ پر گنتا کاشت کیا گیا کیونکہ ان علاقوں میں نئی شوگر ملیں لگنے کی بنا پر کاشت کار اپنی آمدنی میں اضافے کے لیے پرامید تھے۔

منڈی سے آنے والی خبریں حوصلہ افزا نہیں تھیں: حکومت نے گئے کی سرکاری قیمت 10 روپے اضافے سے 180 روپے فی من کردی ہے تاہم وہ کاشت کار اور مل مالکان دونوں کو مطمئن نہیں کر سکی ہے۔⁴ کاشتکاروں کا دعویٰ ہے کہ 200 روپے فی من سے کم قیمت پر انہیں نفع ہوگا نہ

2 م 14ء میں کھاد کے نرخ 5 فیصد بڑھے تھے جبکہ کیڑے ماراؤ (pesticides) دواؤں کے نرخ باقرب 28 فیصد بڑھے۔

3 سپارکو کے تخمینے کے مطابق زبردست بارشوں اور سیلاب نے گئے کا زیر کاشت تقریباً 12.8 ہزار ہیکٹر رقبہ بھی تباہ کر دیا۔ شکر پیدا کرنے والے جو اہم اضلاع متاثر ہوئے ان میں ملتان، مظفر گڑھ اور چنیوٹ شامل تھے۔

4 حکومت نے خریف 2014ء کی سرکاری قیمت 180 روپے فی 40 کلوگرام کا اعلان کیا۔

نقصان، جبکہ مالکان کو شکایت ہے کہ ان کے گودام شکر سے بھرے ہوئے ہیں اور وہ خریداری کی بلند لاگت عام صارفین کو منتقل کرنا چاہتے ہیں لیکن ضوابطی رکاوٹیں حاصل ہو رہی ہیں، جبکہ برآمدی منڈی میں نرخ مندے ہیں۔ حکومت سندھ نے 3 دسمبر کو سرکاری قیمت 155 روپے فی من کا اعلان کیا، تاہم مقامی کاشت کاروں کے احتجاج پر 7 دسمبر کو قیمت بڑھا کر 182 روپے فی من مقرر کر دی۔⁵ گئے کے کاشت کاروں اور مل مالکان کے تنازع کے باعث ملک بھر میں کچل کاری تاخیر کا شکار ہو گئی ہے۔⁶

جہاں تک کپاس کی فصل کا تعلق ہے تو کاٹن کراپ آسٹریٹ کمیٹی (سی سی اے سی) نے پیداوار کا ابتدائی تخمینہ 13.5 ملین گانٹھ (فی گانٹھ 170 کلو گرام) لگایا تھا جو گزشتہ سال سے 5.7 فیصد زائد تھا۔ توقع ہے کہ ملکی منڈی میں کم نرخوں کی بنا پر کاشت کار تیسری اور چوتھی چٹائی کا انتظار نہیں کریں گے۔ اس سے قطع نظر، توقع ہے کہ کپاس کی فصل کا حتمی حجم گزشتہ سال سے زائد ہی رہے گا۔ کپاس کی فصل کو زیر کاشت اراضی کے علاوہ گزشتہ سال سے بہتر یافت سے بھی مدد ملنے کی توقع ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ پانی کی دستیابی بہتر رہی اور بوائی کے وقت تصدیق شدہ بیج مل گئے۔⁷

چاول کا معاملہ یہ ہے کہ زیر کاشت رقبہ گزشتہ سال سے 2.1 فیصد بڑھ گیا اور پیداوار 1.5 فیصد بڑھنے کا تخمینہ ہے۔⁸ چاول میں بیشتر نمونہ پنجاب میں ہوئی جو گزشتہ سال کے مقابلے میں 2 فیصد رہی۔ پاکستان ادارہ شماریات کے مطابق بعض علاقوں خصوصاً فیصل آباد، جھنگ، چنیوٹ، قصور، اوکاڑہ، ساہیوال اور بہاولنگر کے اضلاع میں گئے اور کئی کی کچھ اراضی پر چاول کی فصل اگائی گئی ہے۔ علاوہ ازیں باسستی چاول کی یافت پچھلے سال سے کچھ بہتر ہوئی ہے۔ سندھ میں چاول کی پیداوار گزشتہ سال سے 1.1 فیصد بڑھ گئی۔ یاد رہے کہ چاول کی اکثر غیر باسستی اقسام سندھ میں اگائی جاتی ہیں، اور پچھلے چند سال میں ان اقسام کے چاول کی برآمد مسلسل بڑھ رہی ہے۔⁹

عالمی نرخ: اثرات اور پالیسی اقدامات

عالمی منڈی میں زرعی اجناس کے نرخ مئی 14ء کی تیسری سہ ماہی سے گر رہے ہیں (شکل 2.3)۔ اس رجحان کی بنیادی وجوہات یہ تھیں: عالمی اقتصادی بحالی کے حوالے سے منفی احساسات، توانائی کے کم نرخ، بہتر رسد، اور توقع سے کم صرف،¹⁰ دیگر اجناس کی نسبت کپاس، چاول اور سویا بین کے نرخوں میں کمی زیادہ نمایاں رہی۔ امریکہ، بھارت اور چین میں کپاس کی شاندار فصلیں ہوئیں جن کی مجموعی پیداوار عالمی پیداوار کا 64 فیصد بنتی ہے۔

اس کے علاوہ کپاس کی درآمدی پالیسی میں تبدیلی سے بھی اس کے نرخ گرے۔ حالیہ برسوں میں چین بڑی مقدار میں، یعنی سالانہ تقریباً 15 ملین

⁵ اس اضافے کے ساتھ ساتھ مل مالکان کو یقین دہانی کرائی گئی کہ درآمدی رکاوٹوں اور برآمدی کوٹے میں ان کے ساتھ ضروری تعاون کیا جائے گا۔

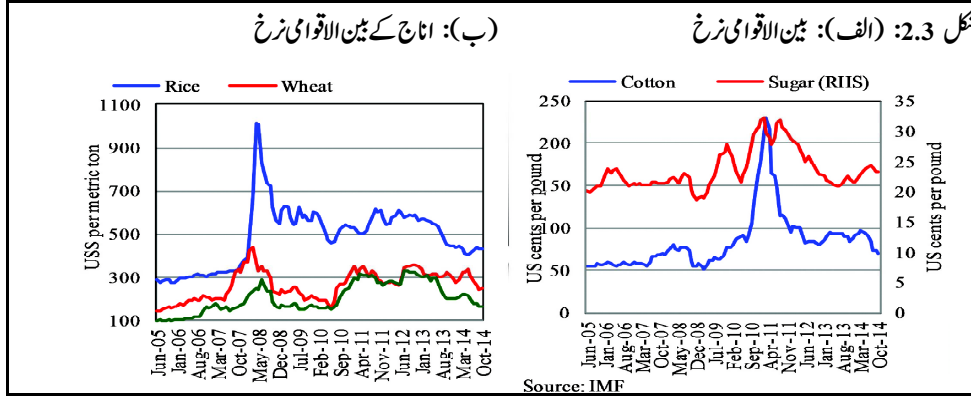
⁶ کٹے کی کچل کاری کا آغاز عام طور پر نومبر کے پہلے ہفتے میں ہوتا ہے، تاہم اس سال کچل کاری خاص طور پر حیدرآباد، بدین، نواب شاہ، اور تھر پارکر میں تاخیر سے ہوئی۔ پنجاب میں بھی فیصل آباد، سرگودھا، ساہیوال، اور لاہور کے اضلاع میں کچھ تاخیر ہوئی ہے۔

⁷ ماخذ: خریف 2014ء کی کاٹن کراپ ایڈوائزری کمیٹی کے پہلے اجلاس کی روداد۔

⁸ ماخذ: پاکستان دفتر شماریات

⁹ پاکستانی چاول کی مجموعی برآمدات میں غیر باسستی چاول کا تناسب بتدریج بڑھ کر 82 فیصد تک پہنچ چکا ہے۔ کینیا، بنگلہ دیش، عرب امارات، افغانستان اور صومالیہ اس کی اہم منڈیاں ہیں۔

¹⁰ ایک مثال بایوفیوئری تو قح سے کم نمونے جس کا سبب نسبتاً بھاری لاگت ہے۔



گاٹھیں کپاس درآمد کر رہا تھا، اس کا مقصد نہ صرف اپنی ٹیکسٹائل صنعت کی ضروریات کو پورا کرنا تھا بلکہ کپاس کے ذخائر اکٹھا کرنا بھی تھا۔ تاہم حال ہی میں حکومت چین نے کپاس کی درآمد (ملک میں موجود ذخائر کے پیش نظر) نمایاں طور پر کم کر دی ہے، اور اپنے ایشیا سازوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ کپاس درآمد کرنے کے بجائے سرکاری ذخائر سے خریدیں۔¹¹ تجزیہ کاروں کا خیال ہے کہ اس پالیسی سے بین الاقوامی منڈی میں تقریباً 11 ملین فاضل گاٹھیں آگئی ہیں جس سے ان کے نرخ کم ہو گئے ہیں۔¹²

چاول کا معاملہ یہ ہے کہ پورے مئی 14ء کے دوران بڑھتے ہوئے ذخائر کی بنا پر نرخ گرتے رہے۔ جولائی تا ستمبر 2014ء کے دوران نرخ کسی حد تک بحال ہوئے تاہم گذشتہ سال کے اس عرصے کے مقابلے میں اب بھی خاصے کم ہیں۔ اب تک کی صورتحال یہ ہے کہ 2014ء کی فصل زیادہ اچھی نہیں ہوئی ہے (خصوصاً بھارت، انڈونیشیا، فلپائن اور سری لنکا میں)، اور مستقبل کارہجان اس بات پر منحصر ہوگا کہ ان ملکوں کی حکومتیں عالمی منڈی میں اپنا مال کس طرح لاتی ہیں۔ عالمی بینک کا تخمینہ ہے کہ 2015ء کے اکثر دورانیے میں اجناس کے نرخ کم رہیں گے۔¹³

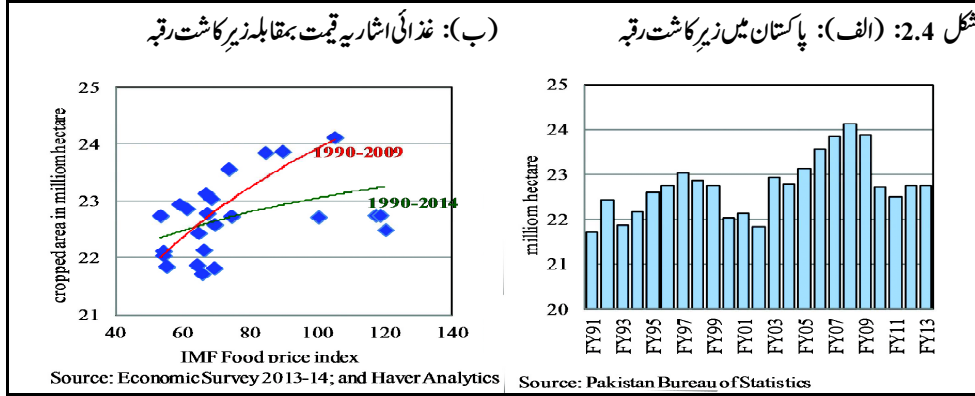
زریعی اجناس کے نرخوں میں کمی کا زرعی رجحانات پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟

کاشت کاروں کو ایک سیزن میں اپنی فصل کا جو پھل ملتا ہے، اور وہ اگلے سیزن میں زیر کاشت رقبے کے بارے میں جو فیصلہ کرتے ہیں ان دونوں چیزوں کے درمیان ایک مستحکم ریاضیاتی ربط (correlation) معلوم ہوتا ہے (شکل 2.4)۔ مثال کے طور پر مئی 04ء سے مئی 09ء تک کے دوران بین الاقوامی منڈیوں میں غذائی نرخوں میں اضافے کے امکانات روشن رہے جس سے زرعی آمدنی میں اضافہ ہوا، اور کاشت کاروں کو ترغیب ملی کہ وہ زیادہ رقبہ زیر کاشت لائیں۔ تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ 2010ء سے یہ رجحان بدل گیا ہے: پاکستان میں زیر کاشت مجموعی اراضی میں تیزی سے کمی واقع ہوئی ہے حالانکہ غذائی نرخوں میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ یہ بے قاعدگی/تضاد حال میں ماحولیاتی تبدیلیوں کا نتیجہ ہو سکتا ہے جس نے سیلاب اور خشک سالی جیسے شدید موسمی حالات کو جنم دیا اور جن سے فصلوں کے لیے خطرات بڑھ گئے ہیں۔

11 چین نے اپنے مقامی خریداروں کو پابند بنانا شروع کیا ہے کہ وہ 75 فیصد خریداری کھلی ذخائر سے، اور بقیہ 25 فیصد خریداری بین الاقوامی منڈی سے کریں۔

12 بین الاقوامی منڈی میں کپاس کے نرخ جو پہلی گرتا شروع ہوئے مقامی اسٹورز نے دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی اپنائی، اور خریداری کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ کاشت کار چونکہ اپنی پیداوار زیادہ عرصہ روک کر نہیں رکھ سکتے اس لیے وہ کم نرخ پر بیچنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ مئی 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران ملک میں کپاس کے نرخ 2,200 سے 2,300 روپے فی 40 کلوگرام کے آس پاس رہے جبکہ مئی 14ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران یہ 2,700 سے 2,800 روپے فی 40 کلوگرام رہے تھے۔

13 عالمی بینک کا ”کموڈٹی مارکیٹس آؤٹ لک“ اکتوبر 2014ء۔



زیادہ تفصیل سے بات کی جائے تو جب 2010ء کے سیلاب نے سندھ اور پنجاب میں زرعی مراکز کو نشانہ بنایا تو فصلوں اور مویشیوں کو نقصان ہوا تھا۔ چھوٹے کاشت کار بے گھر ہو گئے تھے اور انہیں بھاری مالی نقصان پہنچا تھا، یہ ایک سیلاب ان کے اثاثے (فصلیں، مویشی، سونا) سب بہا لے گیا تھا۔¹⁴ جیسا کہ شکل 2.4 الف سے ظاہر ہے، موجودہ زیر کاشت رقبہ سیلاب سے پہلے والے زیر کاشت رقبہ کے مساوی اب تک نہیں ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ کاشت کار زراعت پر سرمایہ لگانے کے اپنے فیصلے میں پہلے سے زیادہ محتاط ہو گئے ہیں¹⁵ اور اب جبکہ فصلوں کے نرخ گر رہے ہیں، گزراوقات کرنے والے کاشت کاروں سے اس پر شدید رد عمل کی توقع ہے۔

پالیسی کیا ہونی چاہیے؟

عام طور پر حکومتیں منڈی میں اسی وقت مداخلت کرتی ہیں جب اجناس کے نرخ گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسی مداخلت طلب ورسد کا فرق دور کرنے اور کاشت کاروں کے نقصانات کو کم کرنے میں کسی حد تک مؤثر بھی ہوتی ہیں۔ تاہم ان اقدامات سے زراعت کی شکل میں مالیاتی لاگت بڑھ جاتی ہے۔

کاشت کاروں کے نقصانات کم کرنے کے لیے حکومت نے ٹریڈنگ کارپوریشن آف پاکستان (ٹی سی پی) کو ہدایت کی ہے کہ وہ سندھ اور پنجاب میں کپاس کی خریداری کے اپنے مراکز بحال کرے۔¹⁶ چنانچہ ٹی سی پی نے کاشت کاروں سے کپاس کی ایک ملین گانٹھوں کی خریداری شروع کر دی ہے، اور توقع ہے کہ آخر دسمبر 2014ء تک یہ ہدف پورا ہو جائے گا۔ کپاس کی سرکاری قیمت تین ہزار روپے فی 40 کلوگرام (یعنی گزشتہ سال کے منڈی کے نرخ سے زائد) رکھی گئی ہے تاکہ کاشت کاروں کو مناسب منافع مل سکے۔

اس کے علاوہ حکومت نے گندم کی سرکاری قیمت 1300 روپے فی 40 کلوگرام مقرر کرنے کا اعلان کیا ہے۔ سال کے دوران حکومت نے گنتے کی سرکاری قیمت بھی بڑھادی ہے، لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے، یہ اضافہ ملک میں گنتے کی قیمتیں مستحکم کرنے کے لیے کافی نہیں رہا کیونکہ گنتے کے

14 سیلابی پانی اتر جانے کے بعد بھی ان کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ اپنی زمینوں پر کھاد، معیاری بیج یا توانائی کے استعمال جیسی کوئی چیز لگاتے۔

15 سیلاب سے اراضی کا معیار بھی متاثر ہوا، کیونکہ کاشت کاروں کو اسے قابل کاشت بنانے کے لیے اضافی رقم مختص اور زیادہ کوشش کرنی پڑی۔ نیز، معلوم ہوا ہے کہ بعض علاقوں میں سیلابی پانی اب تک نہیں اترے اور اس نے مٹی کو زیادہ جم کر دیا ہے جس سے وہ اکثر فصلوں کے لیے بے کار ہو گئی ہے۔

16 اس سے پہلے ٹی سی پی نے 2012ء میں روٹی کی ایک ملین گانٹھیں منڈی کے نرخ مستحکم کرنے کے لیے خریدی تھیں۔

کاشت کاروں اور شوگر مل مالکان کے درمیان تنازع جاری ہے۔ اسے کم کرنے کے لیے حکومت نے مئی 15ء کے دوران 0.65 ملین ٹن کے لگ بھگ شکر برآمد کرنے کی اجازت دے دی ہے، اور شکر کی درآمد پر بھی 20 فیصد درآمدی ڈیوٹی عائد کر دی ہے تاکہ ملکی قیمتوں میں تیزی سے کمی واقع نہ ہونے پائے۔

منڈی میں مداخلت کے ان اقدامات سے کاشت کاروں کی آمدنی کسی حد تک مستحکم ہو جائے گی تاہم یہ دیکھا گیا ہے کہ حکومت کی جانب سے خریداری کے اثرات دور رس نہیں ہیں اور صرف بڑے کاشت کار ہی خریدار اداروں کو اپنی پیداوار بیچنے میں کامیاب ہیں۔ چھوٹے کاشت کاروں کو کم قیمتوں کا نقصان سہنا پڑتا ہے کیونکہ وہ اپنی فصل کم نرخ پر آڑھتیوں کے ہاتھ بیچنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ خریداری کرنے والے سرکاری اداروں کے پاس زرعی پیداوار کے ذخائر رکھنے کی مناسب گنجائش نہیں ہے جو اکثر زیاں کا سبب بنتا ہے۔ سرکاری خریداری کا طریقہ کار طویل مدت میں زیادہ شفاف اور شمولیتی بنانے کی ضرورت ہے جس کا فائدہ ملک کے تمام علاقوں اور طبقوں کو ہوگا۔

تاہم حکومت کی جانب سے خریداری واحد حل نہیں ہے، کاشت کاروں کا منافع محفوظ کرنے کے لیے دیگر طریقہ کار بھی ہیں جو منڈی کی بنیاد پر اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر منڈی میں نرخ غیر مستحکم کرنے والے بعض ذرائع کو کم کرنے کے لیے ویز ہاؤس سیدی نظام (warehouse receipt system) ایک ادارہ جاتی طریقہ کار ہے۔¹⁷ اگر یہ طریقہ کار اختیار کر لیا جائے تو کاشت کار اپنی فاضل پیداوار مقررہ گودام تک لے جاسکتے ہیں اور وہاں سے ایک رسید انہیں دی جاسکتی ہے جس پر اس اسٹاک کی مالیت درج ہو، اس رسید کو بینک میں بطور ضمانت/رہن جمع کرانے کی سہولت حاصل ہو، یا پھر اسے بروکر کے ہاتھ بیچ کر نقد رقم لی جاسکتی ہو۔ برازیل، جنوبی افریقہ، امریکہ، اور بلغاریہ ایسے چند ممالک ہیں جہاں پرویز ہاؤس کی رسید کو بطور ضمانت/رہن استعمال کیا جاتا ہے۔ اسٹیٹ بینک نے ویز ہاؤس سیدی مالکاری کا ایک تفصیلی فریم ورک 2014ء میں جاری کیا تھا، اور اس فریم ورک کے نفاذ کی غرض سے ایک ورکنگ گروپ بھی تشکیل دیا تھا جس میں انٹرنیشنل فنانس کارپوریشن، اے سی ای کنٹرولز اینڈ ایکسپریٹس گلوبل،¹⁸ اور چینیدہ کرسٹل بینکوں کے نمائندے شامل تھے۔

کاشت کاروں کو نرخوں کے تغیر سے بچانے کے دیگر طریقے دارالمبادلہ اجناس (commodity exchanges) اور بازار مستقبلات ہیں۔ یہ بازار بنیادی طور پر اس بات کو یقینی بناتے ہیں کہ کاشت کاروں کو ان کی فصل کی مخصوص مقدار کے بدلے مقررہ وقت تک مناسب طور پر مستحکم قیمت ملے۔ گزراوقات کرنے والے کاشت کار بھی زیادہ پیداوار لگا سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں اس بات کا پیشگی علم ہو کہ انہیں اپنی فصل پر کیا منافع ملے گا۔ بھارت، چین اور برازیل نے اپنے یہاں دارالمبادلہ اجناس متعارف کرا کر نرخوں کے تغیر کے اثرات کا مبادی کے ساتھ کم کیے ہیں۔¹⁹

آخر ا، قیمتوں میں منفی ردوبدل سے کاشت کاروں کو تحفظ دینے کے لیے فصلی بیمہ بھی ایک طریقہ ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ میں فصل سے ہونے والی آمدنی کو تحفظ دینے والی پراڈکٹس دستیاب ہیں جو مجموعی پیداواری آمدنی کا بیمہ کرتی ہیں چنانچہ یافت اور نرخ میں تغیر، دونوں کی وجہ سے ہونے والے خطرات کا ان کی مدد سے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ تاہم ایسی مالی پراڈکٹس کے لیے بخوبی کام کرنے والے اجناس کے دارالمبادلہ اور منڈیاں

¹⁷ تفصیل کے مطابق چھوٹے کاشت کاروں کو اپنی فصل فروخت کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے خواہ منڈی کے نرخ گرے ہوئے ہی ہوں، کیونکہ ان کا کاشت کاروں کو اپنے مزاجوں کو مز دوری ادا کرنے کی خاطر اور فصل کے بعد کے بعض اخراجات کے لیے نقد چاہیے۔ چنانچہ اپنی پیداوار کا ذخیرہ رکھنا اور نرخ بحال ہونے کا انتظار کرنا ان کے لیے مشکل ہوگا۔

¹⁸ اے سی ای گلوبل گوداموں کی تعمیر اور اجناس کی معیار سازی کے لیے تکنیکی تعاون کرتی ہے۔

¹⁹ http://unctad.org/en/docs/ditcom20089_en.pdf

جدول 2.2: زرعی قرضے کی تقسیم بلحاظ مقصد		
ارب روپے	پہلی سہ ماہی م س 14ء	پہلی سہ ماہی م س 15ء
1۔ پیداواری قرضے (الف+ب+ج+د+ه+و)	66.5	86.1
الف۔ فصلیں	24.7	30.1
ب۔ باغبانی	1.6	2.0
i۔ سبزیاں	0.6	0.8
ii۔ پھل	1.0	1.2
ج۔ گلہ بانی اور ڈیری	12.2	19.4
د۔ مرغابی	19.7	16.8
ه۔ کارپوریٹ فارمنگ	0.2	0.5
و۔ دیگر	8.1	17.3
2۔ ترقیاتی قرضے (الف+ب+ج+د+ه)	4.3	12.0
الف۔ فصلیں	1.9	3.6
i۔ ٹریکٹر	0.9	1.7
ii۔ کھیتی باڑی کی مشینری	0.1	0.1
iii۔ ٹیوب ویل	0.1	0.1
iv۔ دیگر	0.8	1.7
ب۔ گلہ بانی اور ڈیری	2.2	5.8
ج۔ مرغابی	0.2	0.5
د۔ کارپوریٹ فارمنگ	0	2.0
ه۔ دیگر	0.01	0.1
کل مجموعہ (2+1)	70.8	98.1
ماخذ: اسٹیٹ بینک آف پاکستان		

ضروری ہیں نیز پیداوار کی مقدار اور نرخ کے بارے میں قابل بھروسہ معلومات موجود ہونی چاہئیں۔

زرعی قرضہ

م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران زرعی قرضہ سال بسال 38.5 فیصد بڑھا، اس اضافے سے کمرشل بینکوں کو اپنے سالانہ ہدف 500 ارب روپے کا 20 فیصد پورا کرنے کا موقع ملا۔ یہ رجحان حوصلہ افزا ہے، کیونکہ عام طور پر بینک اپنے سالانہ اہداف پورا کرنے کے لیے سال کی آخری دو سہ ماہیوں میں زرعی قرضے تیزی سے تقسیم کرنے لگتے ہیں۔ دوران سال یوں تو تمام بینکوں نے زرعی قرضوں میں عمدہ نمود کھائی تاہم ملکی نجی بینکوں اور اسلامی بینکوں کی کارکردگی زیادہ نمایاں ہے۔

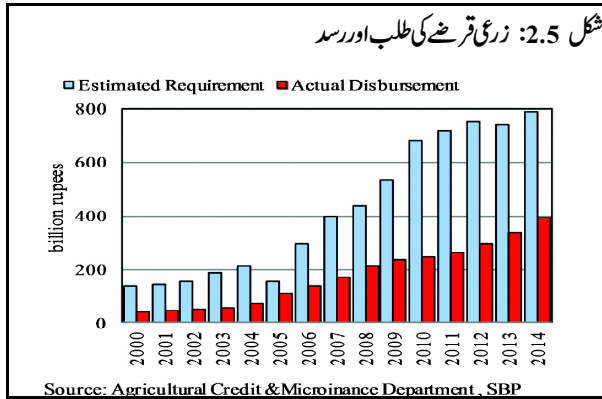
سہ ماہی کے دوران فصل کے شعبے میں سب سے بھاری مقدار پیداواری قرضوں کی رہی جس کی توقع بھی تھی، قرضوں کی مجموعی تقسیم میں پیداواری قرضوں کا تناسب تین چوتھائی سے زائد ہے۔ تاہم

م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران ترقیاتی قرضوں میں بھی مستحکم نمو ہوئی اگرچہ ان کی مقدار غیر نمایاں رہی (جدول 2.2)۔ سہ ماہی کے دوران زیادہ تر ترقیاتی قرضے شعبہ گلہ بانی کو ملے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روشن امکانات والے اس شعبے میں بینکوں کی دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ مزید برآں، بینکوں کا تقریباً نصف قرضہ گزر اوقاتی کاشت کاروں کو ملا²⁰ جبکہ دو زمروں یعنی کفایتی (economic)²¹ اور بالائے کفایتی (above-economic)²² کو تقریباً 25، 25 فیصد حصہ ملا۔

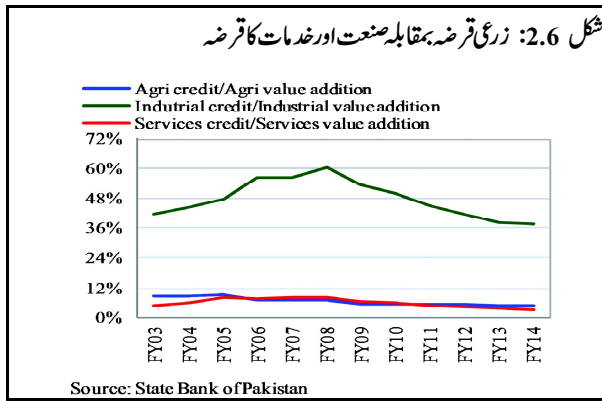
زرعی قرضہ: طلبی اور رسدی پہلوؤں کی رکاوٹوں کا تجزیہ

پاکستان کے زرعی شعبے کی مستحکم نمو کے لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ زراعت کے روایتی طریقے چھوڑ کر جدید طریقے اپنائے جائیں جس کے لیے

20 گزر اوقاتی کاشت کار پنجاب اور خیبر پختونخوا میں 12.5 ایکڑ کے مالک ہیں جبکہ سندھ میں 116 ایکڑ اور بلوچستان میں 132 ایکڑ تک اراضی کے مالک ہیں۔
21 کفایتی کاشت کار پنجاب اور خیبر پختونخوا میں 12.5 ایکڑ سے 150 ایکڑ تک کے مالک ہیں جبکہ سندھ میں 116 ایکڑ سے 164 ایکڑ اور بلوچستان میں 132 ایکڑ سے 164 ایکڑ اراضی کے مالک ہیں۔
22 بالائے کفایتی کاشت کار پنجاب اور خیبر پختونخوا میں 150 ایکڑ سے زائد اراضی کے مالک ہیں جبکہ سندھ اور بلوچستان میں 164 ایکڑ سے زائد اراضی کے مالک ہیں۔



تصدیق شدہ بیجوں کا استعمال بڑھانا ہوگا، پانی کو سمجھ داری سے اور کھاد کو متوازن طریقے سے استعمال کرنا ہوگا، اور کھیتی باڑی میں مشینوں کو فروغ دینا ہوگا۔ تبدیلی کے اس عمل میں رسمی شعبے سے زرعی قرضے کی مناسب فراہمی بے حد اہم ہے، کیونکہ رقم نہ ہونے سے کاشت کار کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں پڑتا کہ وہ وہی روایتی طریقے اپنائے رکھے جو فصل کی کم یافت کے بڑی حد تک ذمہ دار ہیں۔



اسٹیٹ بینک کے تخمینے کے مطابق زرعی قرضے کی تقریباً نصف ضروریات پوری ہونے سے رہ جاتی ہیں چنانچہ کاشت کاروں کو مجبوراً آڑھتوں اور دیگر غیر رسمی منہجے ذرائع پر انحصار کرنا پڑتا ہے جس کے نتیجے میں کاشت کاروں کا ممکنہ طور پر استحصال ہوتا ہے (شکل 2.5)۔²³ اسی طرح زرعی شعبے کو دیے گئے قرضے اور اس کے نتیجے میں اضافہ قدر کا باہمی تناسب گزشتہ برسوں کے دوران بہت کم رہا ہے، خصوصاً جب اس کا موازنہ صنعتی شعبے سے کیا جائے (شکل 2.6)۔ مختلف شعبوں، خاص کر زرعی شعبے کے لیے قرضہ متوازن طور پر مختص کرنے کی خاطر بینکوں خصوصاً بڑے کمرشل بینکوں کو عہدہ مہارتیں اور کاروبار کی سمجھ بوجھ درکار ہوتی ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ زرعی قرضے کے پھیلاؤ میں رکاوٹیں زیادہ تر رسدی نوعیت کی ہیں۔ مثال کے طور پر کاشت کاروں کو خصوصاً ان کو جو چھوٹے اور گزر اوقات کرنے والے ہیں، بینکوں کے پاس آنے سے جھجک ہے، کیونکہ بینکوں کے حوالے سے ان کے ذہن میں کچھ خدشات ہوتے ہیں، بینکوں کے غیر دوستانہ اور گراں بار طریقہ کار ان خدشات کو مزید قوی کر دیتے ہیں۔ اگر بینک اپنے انفراسٹرکچر میں سرمایہ لگائیں، زرعی مالکاری کے شعبے میں عملہ بھرتی کریں اور اسے تربیت دیں، اور قرضہ دینے کے اپنے طریقے مزید سادہ اور آسان بنائیں تو یہ رکاوٹیں دور کی جاسکتی ہیں۔ اس سلسلے میں ان نکات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے: (i) رقوم کے استعمال کے ایسے دیگر طریقے ان کو دستیاب ہیں جن میں خطرات بھی کم ہیں، مثلاً ٹی بی/ پی آئی بی میں سرمایہ کاری، (ii) اراضی کی ناقص دستاویزیت اور رہن اشیا کی ضبطی (foreclosure) کے غیر موثر قوانین، جن کی

²³ منصوبہ بندی کے صوبائی محکمے قرضے کی ضروریات کا تخمینہ لگاتے ہیں جس کے لیے وہ فی یونٹ پیداواری لاگت، مجموعی زرعی کاشت اراضی، اور اس کی رقوم کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ نیز، ذیلی شعبوں مویشی، مرغی اور مانی گیری کی پیداواری اور ترقیاتی لاگت پر بھی توجہ دی جاتی ہے تاکہ ملک میں قرضے کی مجموعی طلب معلوم کی جاسکے۔ مالی شمولیت کی صورت حال اور بھی مایوس کن ہے، زرعی شماری 2010ء کے مطابق ملک میں زرعی گھرانوں کی تعداد 8.3 ملین ہے جن میں سے صرف 2.3 ملین کو زرعی ذرائع سے خدمات میسر ہیں۔

وجہ سے مناسب رہن کا مسئلہ مزید سنگین ہو جاتا ہے، (iii) ایسی محدود (روایتی) پراڈکٹس جو صرف بڑے (شہری) کاشت کاروں کی ضروریات کو پورا کرتی ہیں اور مانی گیری، گلہ بانی، اور باغبانی جیسے شعبوں کا احاطہ نہیں کرتیں، (iv) قرضے سے منسلک خطرات کا بلند ہونا،²⁴ اور (v) محدود رسائی۔ ان عوامل کے ساتھ ساتھ، زرعی قرضے کے سلسلے میں کھیتوں کا دورہ اور معائنہ بھی شامل ہوتا ہے جسے شہروں میں رہنے والے بینکار ناپسند کرتے ہیں، خاص طور پر اس لیے بھی کہ یہ آسان طریقہ ان کے لیے موجود ہے کہ وہ بڑے کاروباری اداروں خصوصاً حکومت کو قرضہ دیں۔

یہ صورتحال خطرہ قرض کے انتظام کے لیے منظم کوششوں کا تقاضا کرتی ہے۔ ان کوششوں میں انتظام خطرہ کے حفاظتی اقدامات کے ساتھ ساتھ وہ اقدامات بھی شامل ہیں جو بینکاری صورتحال کے بعد متاثرہ قرض گیروں کو ریلیف دینے کے لیے کیے جائیں۔ اسٹیٹ بینک اس بات سے آگاہ ہے کہ خطرات کم کرنے اور زرعی شعبے کی پائیدار ترقی کی غرض سے بینکوں کی کوششوں میں تعاون کے لیے ایسے پالیسی اقدامات کیے جائیں جن میں مارکیٹ کو پیش نظر رکھا گیا ہو۔ چنانچہ وہ زرعی مالکاری کے لیے وقتاً فوقتاً رہنما ہدایات جاری کرتا رہتا ہے (باکس 2.1)۔

باکس 2.1: زرعی قرضے کی سہولت کے لیے اسٹیٹ بینک/حکومت پاکستان کی اعلان کردہ اسکیمیں
قرض ضمانت اسکیم (Credit Guarantee Scheme)

چھوٹے اور دیہی اداروں کے لیے قرض ضمانت اسکیم 2010ء میں متعارف کرائی گئی جس کا مقصد کم آمدن کاشت کاروں کو مالکاری کی حوصلہ افزائی کرنا تھا۔ اگر کوئی قرض نادرندہ ہو جائے تو اسکیم کے تحت قرضے کی 40 فیصد تک اصل رقم یعنی جزوی ضمانت بینکوں کو دی جاسکتی تھی۔ یہ اسکیم زیادہ سے زیادہ 2 ملین روپے پانچ سال تک کے لیے جاری کر سکتی تھی۔

خرید مالکاری قرض ضمانت اسکیم (Microfinance Credit Guarantee Facility)
اس اسکیم نے خرید مالکاری اداروں کو کمرشل بینکوں کے ساتھ ساتھ سرمایہ منڈیوں سے رقم اکٹھا کرنے میں مدد دی ہے۔ یہ رقم آگے چل کر خرید مالکاری کے خواہشمند منڈوں کو بطور قرض دی جاتی ہے۔ یہ اسکیم ہندگی کی صورت میں اصل رقم کا جزوی یعنی 40 فیصد تک (یا اولین نقصان کی صورت میں 25 فیصد) تحفظ دیتی ہے۔

فصلی قرضے کی بیمہ اسکیم (Crop Loan Insurance Scheme)
حکومت کے تعاون سے شروع کی جانے والی اس اسکیم نے کاشت کار طبقے کو مختلف دھچکوں سے بچانے میں کافی مدد کی ہے۔ حکومت نے 2014-15ء کے بجٹ میں پانچ اہم فصلوں کے بیجے کے لیے 2.5 ارب روپے مختص کیے ہیں۔ جن کاشت کاروں کے پاس 125 ہیکٹر تک زمین ہے ان کی جانب سے حکومت فی ہیکٹر 2 فیصد بیمہ پر بیمہ ادا کرے گی۔

گلہ بانی کے لیے قرضے کی بیمہ اسکیم (Livestock Loan Insurance Scheme)
اسی طرح 2013ء میں گلہ بانی کے لیے قرضے کی بیمہ اسکیم کا اعلان کیا گیا جس کا مقصد کھیتی باڑی کے جانوروں کی اموات سے ہونے والے نقصان سے تحفظ دینا تھا، اس کی پریمیم قیمت 4 فیصد تک تھی۔ بینک قرضہ لینے والے چھوٹے اور نظر انداز کیے گئے کاشت کاروں کو درپیش خطرات سے تحفظ دینے کے لیے حکومت نے بجٹ میں 300 ملین روپے مختص کیے ہیں۔ اسکیم کے تحت 10 تک فاری جانور خریدنے پر حکومت پریمیم کی شکل میں زراعت دے گی۔ بعض بینکوں نے جانوروں کی پوری اور ان کی جزوی معذوری کو بھی اسکیم کے تحت تحفظ میں شامل کیا ہے۔

کنٹر ایکٹ کاشت کار/ویلیو چین مالکاری
چونکہ چھوٹے کاشت کار عموماً بینکوں کے لیے قابل قبول رہن کے مالک نہیں ہوتے اس لیے ویلیو چین مالکاری کے بارے میں رہنما ہدایات جاری کی گئی ہیں۔ ویلیو چین مالکاری سرفہرستی معاہدے کے تحت ایک دوسرے کے فائدے کے لیے کام کرتی ہے جس میں ویلیو چین کے مختلف ارکان یعنی کاشت کار، خام مال کے پلازہ، پراسیسر، تاجر اور مالکاری کرنے والا بینک شامل ہو سکتا ہے۔ قرضہ لینے کا خواہاں کاشت کار یا ان کا ایک گروپ ایک فرم کے ساتھ اس بات کا معاہدہ کر لیتا ہے کہ وہ اپنی پیداوار کی مخصوص مقدار سے فراہم کرے گا جس کے عوض وہ قرضہ لے سکے گا۔

مندرجہ بالا کے علاوہ دیگر شعبوں مثلاً مانی گیری، مرغی بانی، اور آبی انتظام کی سرگرمیوں کے بارے میں بھی رہنما ہدایات بینکوں کی سہولت کے لیے موجود ہیں تاکہ وہ اپنا زرعی جزدان متنوع بناتے ہوئے کوئی پراڈکٹ تیار کر سکیں جس سے انہیں اپنا خطرہ قرض گھٹانے میں بھی مدد ملے۔ اسی طرح اسلامی بینک یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ دیہی اور زرعی منڈیوں کی مالکاری ضرورت پوری کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔

24 2014ء کے دوران صنعتی شعبے کے اوسط غیر فعال قرضے 12.8 فیصد رہے، اس کے مقابلے میں زرعی شعبے کے 13.8 فیصد تھے جو نسبتاً بلند ہیں تاہم زرعی شعبے کے غیر فعال قرضوں میں بتدریج کمی ہو رہی ہے۔

مستقبل میں پیش آنے والی حقیقی دشواری یہ ہے کہ ان چھوٹے اور غیر اہم قرار دیے گئے کاشت کاروں کو قرضے تک رسائی دی جائے جو اب تک بینکاری سہولت حاصل نہیں کر پائے ہیں۔ انہیں بینکاری سہولتوں کے دائرے میں لانے کے لیے بینکوں کو اپنے قرضے کی خدمات کو (تکنیکی تعاون کے ساتھ) ایک مشمولاتی شکل (package) دینے کی ضرورت ہوگی تاکہ یہ کاشت کار اپنا کاروبار چلانے میں مدد پاسکیں۔ اس سلسلے میں انڈونیشیا، فلپائن، تھائی لینڈ اور بنگلہ دیش کے کامیاب تجربات سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جنہوں نے بالترتیب بینک رکیٹ، لینڈ بینک، بینک فار ایگریکلچر اینڈ ایگریکلچرل کوآپریٹوز اور گرامین بینک کے ذریعے کام کیا، ان کے تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ بینک کاشت کار برادریوں کے ساتھ قریبی روابط رکھ کر کام کر سکتے ہیں اور انہیں ضمانت سے پاک قرضے فراہم کر کے ذخائر اور مارکیٹنگ جیسی سہولتوں میں مدد دے سکتے ہیں۔

مزید برآں، بینک کاشت کاری کے آلات پر سرمایہ لگانے کی پیداواری صلاحیت بڑھانے میں بھی مدد دے سکتے ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ایک ایسا طریقہ کار لانے کی ضرورت ہے جو کاشت کاروں، مالی اداروں، توسیعی خدمات، اور صوبائی محکمہ ہائے زراعت کے مابین روابط استوار کرے جس کے ذریعے اطلاعات کارگر طریقے سے پہنچائی جائیں، اور کاشت کار طبقے کو خدمات فراہم ہوں۔ اس سلسلے میں اسٹیٹ بینک کا ایک اچھوتا منصوبہ تاجر اور ایجنٹ کی وساطتی قرض گاری (TRAIL - trader-agent intermediated lending) ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا رابطہ استوار کر کے چھوٹے اور درمیانے کاشت کاروں کو بینکوں کی قرض گاری بہتر بنانے میں مدد مل سکتی ہے (بکس 2.2)۔

بکس 2.2: ایجنٹوں کی وساطتی قرض گاری: بنیادی کی کہانی

چھوٹی اور درمیانی گنجائش کے کاشت کاروں کو بینک قرضے کے حصول کے لیے جس بڑی رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ضمانت یا رہن ہے۔ چنانچہ اگر اختراعاتی طریقے اپناتے ہوئے ضمانت یا رہن کا مطالبہ ختم کر دیا جائے تو یہ انقلابی تبدیلی ہوگی۔ اس تصور کو ذہن میں رکھ کر اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے ایک تجرباتی منصوبے پر کام کیا جس میں چھوٹی اور درمیانی گنجائش کے کاشت کاروں کو ضمانت پر قرضہ دینے کی جگہ ”تاجر اور ایجنٹ کی وساطتی قرض گاری“ (TRAIL - trader-agent intermediated lending) متعارف کرائی گئی۔ اس طریقے میں ایک تیسرا فریق ضمانت کار (guarantor) کی حیثیت سے شریک تھا (تجرباتی منصوبے میں بنیادی شوگر ملز لیڈ) جس نے چھوٹی اور درمیانی گنجائش کے کاشت کاروں کو زری بینک کا قرضہ کتنے کی رسد کے عوض حاصل کرنے میں مدد دی۔ اس تجرباتی منصوبے کا تمام متعلقہ فریقوں نے خیر مقدم کیا، وصولی کی شرح سو فیصد رہی اور سودی اخراجات مارکیٹ کے مقابلے میں کم رہے۔

اسٹیٹ بینک آف پاکستان تمام متعلقہ فریقوں کو ایک میز پر لایا، پراڈکٹ کے ڈیزائن پر عمل کرایا قرض لینے والے کاشت کاروں کی نگرانی کی، اور ابھرنے والے تنازعات کو سلجھایا۔ گئے کئے چھوٹے اور درمیانے کاشت کاروں کو قرضہ فراہم کرنے کے لیے ایک بڑے کمرشل بینک کو منتخب کیا گیا، بنیادی شوگر ملز کی کارپوریٹ ضمانت حاصل رہی۔ قرضے کے بہت سے خواہش مندوں میں سے چند قابل کاشت کاروں کو بنیادی شوگر ملز نے منتخب کیا اور معمولی فیس وصول کی، اسی ملز نے منتخب کاشت کاروں کی نگرانی کی، بینک نے منتخب کاشت کاروں کو قرضہ جاری کیا جنہوں نے اپنی فصل مارکیٹ ریٹ پر بنیادی شوگر ملز کو فروخت کر دی۔ بینک نے نسبتاً کم شرح سود عائد کی کیونکہ قرضے کو بنیادی شوگر ملز کی کارپوریٹ ضمانت حاصل تھی۔ معاہدے کے تحت کاشت کار پابند تھا کہ اپنی فصل اسی شوگر مل کے ہاتھ فروخت کرے، جس نے دیا گیا بینک قرضہ چکانے کے بعد باقی رقم کاشت کار کے کھاتے میں منتقل کر دی۔

پہلے سال (2013ء میں) کئے گئے 44 کاشت کاروں میں 3.6 ملین روپے جیسی چھوٹی رقم تقسیم کی گئی۔ جیسا کہ پہلے بتایا گیا، سو فیصد قرضہ واپس لے لیا گیا۔ دوسرے سال (2014ء میں) 21.7 ملین روپے تقسیم کیے گئے۔ بنیادی شوگر ملز کے کچل کاری سیزن 15-2014ء شروع ہونے کے ڈیڑھ مہینے کے اندر 59 فیصد قرضہ واپس بھی لیا جا چکا ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ مارچ 2015ء میں ملز کے کچل کاری سیزن کے اختتام پر قرضہ پورے کا پورا واپس لے لیا جائے گا۔

ہم اپنے شرکا، یعنی بینک اور بنیادی شوگر ملز کی ترقی پسند اندسوج اور کوششوں کو سراہتے ہیں، جنہوں نے اس تجربے کو تکمیل کو پہنچایا۔ اس منصوبے کے نتائج یہاں دستیاب ہیں:

بلوچ کے اے، اور چوہدری ایم اے (2014ء) Agent Intermediated Lending: The Matiari Case Study، اسٹیٹ بینک آف پاکستان، شعبہ تحقیق، اوکیڈنٹل ریسرچ پیپرز۔

2.3 بڑے پیمانے کی اشیا سازی

م 15ء کی پہلی سہ ماہی میں بڑے پیمانے کی اشیا سازی کی نمونہ ہو کر 2 فیصد رہ گئی جبکہ گزشتہ سال اسی عرصے میں نمونہ 6.7 فیصد رہی تھی۔ حالیہ کی کئی صنعتوں میں وسیع البہیادست روی کا نتیجہ ہے، 15 ذیلی شعبوں میں سے 9 کی پیداوار زیر جائزہ عرصے کے دوران کم ہو گئی (جدول 2.3)۔

بڑے پیمانے کی اشیا سازی کی نمونہ کی کا ایک جزوی سبب تو کھاد میں گزشتہ سال سے اساسی اثر ہو سکتا ہے، تاہم مختلف نوعیت کے مسائل اس نمونہ میں حائل رہے مثلاً: (i) سوتی دھاگے کی برآمدی طلب کا متواتر کمزور ہونا، (ii) کئی صنعتوں میں گیس کی قلت ہونا (مثلاً پنجاب کی ٹیکسٹائل، کاغذی، شیشہ،

جدول 2.3: بڑے پیمانے کی اشیا سازی میں نمونہ کے رجحانات۔ پہلی سہ ماہی						
وزن	نمونہ			فیصدی حصہ		
70.3	م 13ء	م 14ء	م 15ء	م 13ء	م 14ء	م 15ء
5.4	16.1	9.4	13.9	86.3	4.7	24.1
4.6	-1.2	-4.8	13.3	-13.3	-4.1	33.7
3.6	5.2	2.3	3.2	81.5	3.0	13.5
0.3	33.6	-0.4	6.5	23.2	0.0	1.5
0.4	-12.9	-23.8	1.3	-11.7	-1.5	0.2
1.7	1.6	4.2	7.3	7.3	1.6	9.0
21.0	-0.5	2.4	1.0	-30.0	11.4	15.6
13.0	-0.6	3.0	1.2	-22.9	9.1	12.1
7.2	-0.3	0.9	0.1	-6.7	1.5	0.5
12.4	6.5	8.7	1.6	172.2	19.6	12.3
2.2	6.4	8.7	7.5	44.3	5.2	-15.3
0.4	18.2	7.1	21.8	20.2	0.7	7.7
5.5	3.4	12.7	4.9	39.9	12.3	17
2.0	-11.2	15.9	8.5	-37.7	3.8	7.5
2.3	14.5	19.7	1.0	98.6	12.3	2.5
5.4	3.9	1.0	0.9	77.4	1.7	4.6
5.3	4.0	0.8	1.0	79.9	1.3	5.1
4.4	-27.0	44.6	-4.1	-334.6	32.4	-13.5
0.9	-10.0	13.0	0.1	-37.1	3.5	0.1
0.6	-13.1	-6.1	-81.2	-22.0	-0.7	-28.2
70.3	0.5	6.7	2.0	100.0	100.0	100.0
بڑے پیمانے کی اشیا سازی بحیثیت مجموعی						
* شکر کی پیداوار کا تخمینہ اس جدول میں نہیں دیا گیا ہے کیونکہ گنے کی کٹان کاری مالی سال کی دوسری سہ ماہی میں شروع ہوتی ہے۔						
ماخذ: پاکستان دفتر شماریات						

جدول 2.4: یورپا کی پیداوار (ہزار ٹن)					
استعداد کا استعمال (فیصد)		پیداوار			
م 15ء	م 14ء	م 15ء	م 14ء	گیس فیڈ	کھیتی
85.4	78.3	485.5	445.3	ایم جی سی ایل	ای ایف ای آر ٹی
115.9	117.5	593.4	601.7		ایف ایف سی
96.9	116.0	174.0	208.1	ایم جی سی ایل	پاک سعودی
126.1	118.4	419.4	393.6	ایم جی سی ایل	جی ماچی
40.2	48.6	55.4	66.9	ایس ایس جی سی	ایف ایف بی ایل
74.0	67.7	109.5	100.2		فاطمہ
87.6	80.2	109.5	100.2	ایم جی سی ایل	فاطمہ
0.0	0.2	0.0	0.0	ایس این جی بی ایل	پاک عرب
7.4	21.9	8.3	24.4	ایس این جی بی ایل	ڈی ایچ سی ایل
32.3	84.8	34.9	91.8	ایس این جی بی ایل	ایگری ٹیک
81.1	83.9	1,287.0	1,330.5		مجموعہ
			486.5	162.0	ابتدائی ذخائر (پہلی سہ ماہی)
ماخذ: این ایف ڈی کی متعدد رپورٹیں					

چھڑا صنعت، اور کھاد کے بعض کارخانے وغیرہ)، اور (iii) شعبوں سے مخصوص عوامل، مثال کے طور پر لکڑی کے بڑھتے ہوئے نرخوں اور بجلی کی قلت کی بنا پر چپ بورڈ کے ایک بڑے کارخانے کی بندش، اور خوردنی تیل کی ملکی پیداوار کے بجائے اس کی درآمد۔

ان عوامل نے نہ صرف گاڑیوں اور فولاد میں ہونے والی اس عمدہ نمو کو ماند کر دیا جو م 15ء کے ابتدائی تین ماہ میں ہوئی تھی بلکہ اجناس کے عالمی نرخوں میں ہونے والی کمی کے اثرات کو بھی دھندلا دیا۔

کھاد کی پیداوار میں اساسی اثر اور

گیس کی قلت رکاوٹ بنی

م 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران کھاد کی پیداوار 4.1 فیصد گر گئی جبکہ گذشتہ سال اسی عرصے میں

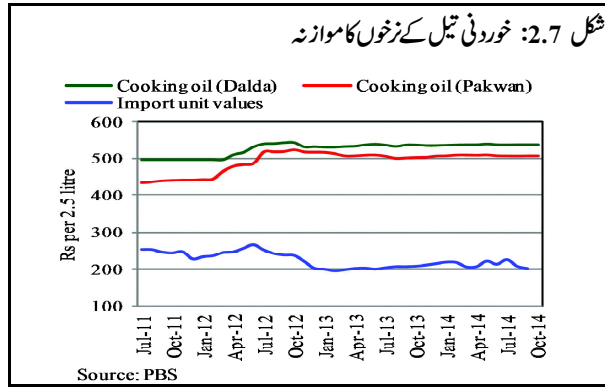
شاندار 44.6 فیصد نمو ہوئی تھی۔ حالیہ کمی کا سبب یہ تھا کہ حکومت نے چند کھاد ساز اداروں کو گیس کی رسد کم کرنے کا فیصلہ کیا۔

ان فرمز سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو سہ ماہی کے دوران کھاد کی پیداوار گذشتہ سال کی سطح سے معمولی سی زائدرہی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اینگرو کو ماری گیس فیڈ سے ملنے والی اضافی رسد، جس نے گذشتہ سال کی پیداوار میں زبردست اضافہ کیا تھا، اس سال بھی برقرار رہی (جدول 2.4)۔

دریں اثنا، م 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران یورپا کا صرف گذشتہ سال کی نسبت سال بسال 3.5 فیصد بڑھا۔ تاہم پاکستان نے اس سال یورپا درآمد نہیں کی کیونکہ جمع شدہ ذخائر سے رسد بہتر رہی۔

سویتی دھاگے کو سسٹ طلب اور بے قاعدہ گیس نے متاثر کیا

سویتی دھاگے کی پیداوار کو طلب اور رسد دونوں کے مسائل درپیش رہے۔ سویتی دھاگے کی درآمدی طلب گذشتہ سال سے ماند رہی ہے، اور خاص کر چین کی درآمدی پالیسی بدلنے کے بعد سے ایسا ہوا ہے۔ رسدی پہلو سے، پنجاب میں واقع ٹیکسٹائل ملین گیس کی قلت کی بنا پر سویتی دھاگے کی تیاری میں اس سال بھی سست رہی۔ صورتحال اب بھی نہیں بدلی ہے۔ گیس کی شدید قلت کے باعث حکومت نے گیس کی لوڈ شیڈنگ کا منصوبہ وقت سے پہلے ہی یعنی نومبر 2014ء میں نافذ کر دیا اور پنجاب کے ٹیکسٹائل یونٹوں کو گیس کی فراہمی روک دی۔ تاہم اس فیصلے کو ٹیکسٹائل صنعت کی درخواست پر عارضی طور پر روک لیا گیا ہے۔²⁵



جدول 2.5: گاڑیوں کی پیداوار میں نمو - پہلی سہ ماہی فیصد

م 15ء	م 14ء	م 13ء	م 12ء	م 11ء	
11.5	-5.3	-11.9	4.2	23.0	جیپ/کار
125.7	2.0	-16.3	-33.9	8.0	ٹرک
85.2	-43.8	156.4	-69.1	-5.1	ٹرکٹر
3.2	3.3	-11.3	10.8	24.5	ایل سی ڈی
2.5	5.8	-4.5	18.0	14.6	موٹر سائیکل
14.0	-4.8	-1.2	-3.4	14.1	مجموعی

ماخذ: پاکستان فزٹریات

گیس کی قلت نے کاغذ اور گتے کی

صنعت پر بھی اثر ڈالا

پنجاب میں گیس کی قلت م 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران کاغذ اور منسلک صنعتوں کی پیداوار میں حائل رہی۔ کاغذ سازی کے دو سب سے بڑے کارخانے، مارکیٹ میں جن کا حصہ تقریباً 60 فیصد ہے، اسی علاقے میں واقع ہیں۔ گیس نہ ہونے سے کاغذی صنعت کو فرنس آئل پر انحصار کرنا پڑتا ہے جس سے پیداواری لاگت بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ م 15ء کی پہلی سہ ماہی میں ایک بڑا کاغذ ساز ادارہ اپنی پیداوار گھٹانے پر مجبور ہوا۔

خوردنی تیل کی درآمد نے ملکی

پیداوار کم کر دی

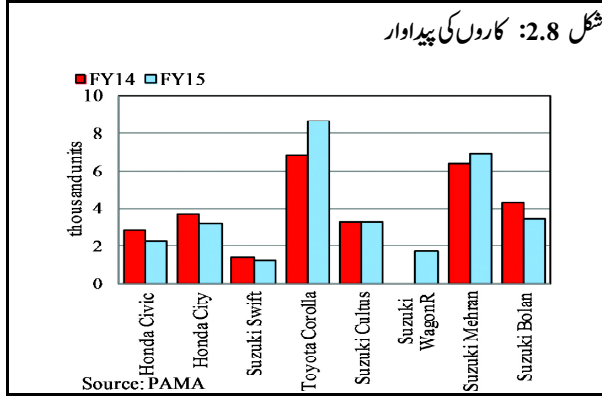
خوردنی تیل کی پیداوار م 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران 3.2 فیصد گر گئی جبکہ گذشتہ سال اسی عرصے میں یہ 8.7 فیصد بڑھی تھی۔ پاکستان کی خوردنی تیل کی

پیداوار کا بڑی حد تک پام آئل کی درآمد پر انحصار ہے، پام آئل کو مزید پراسیسنگ اور پیکنگ کے بعد مختلف ورائٹیوں میں لایا جاتا ہے۔ تاہم حال ہی میں یہ رجحان تھوڑا تبدیل ہوا ہے۔ پاکستان اور ملائیشیا کی فرموں کے اشتراک سے ملائشین خوردنی تیل م 14ء میں پاکستان میں متعارف کرایا گیا ہے۔²⁶ اس اشتراک میں ملائشین پام آئل بورڈ فعال طور پر شامل ہے۔ ان انتظامات کے تحت صاف شدہ، رنگ اور بو سے پاک (آر بی ڈی) پام آئل پیکنگ میں درآمد کر کے براہ راست تجارتی اور گھریلو صارفین کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یہ رجحان یوں بھی پروان چڑھا کہ درآمدی پام آئل کی قیمت ملکی برانڈز کی قیمتوں سے کم ہے (شکل 2.7)۔

گاڑیوں کی طلب

م 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران گاڑیوں کی پیداوار میں نمو چار سال کی بلند ترین سطح 14 فیصد تک جا پہنچی (جدول 2.5) جبکہ گذشتہ سال اسی عرصے میں 4.8 فیصد کی واقع ہوئی تھی۔ حوصلہ افزا امر یہ ہے کہ زیر جائزہ عرصے میں کاروں، ٹرکوں اور ٹریکٹروں کی پیداوار میں نمایاں اضافہ دیکھا گیا۔

²⁶ کراچی میں قائم ہونے والے پتھری کوئنگ اور سن یاک کوئنگ آئل م 14ء کے دوران (ملائیشیا اور پاکستان کی فرموں کے) مشترکہ منصوبوں کی دو جالیہ مثالیں ہیں۔



جولائی 2014ء میں انڈس موٹرز نے ایک نیا ماڈل متعارف کرا کے کار کی طلب بڑھنے کا پہلے ہی اشارہ دے دیا تھا۔^{27, 28} زمرہ وار تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ ماسوائے ٹویوتا کرولا، سوزوکی مہران اور سوزوکی وگیٹن آر کے، تقریباً تمام زمروں کی گاڑیوں کی پیداوار م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران گری (شکل 2.8)۔²⁹

جدول 2.6: پہلی سہ ماہی کے دوران ٹرکوں کی پیداوار

پونٹوں کی تعداد			
ٹرک	م س 13ء	م س 14ء	م س 15ء
ٹرک	443	452	1,020
ہینو	226	196	342
نسان (جی ایچ این ایل)	46	66	194
ماسٹر	64	94	218
اسوزو	107	96	266

ماخذ: پی اے ایم اے

ٹریکٹروں کی پیداوار بھی نمایاں طور پر بڑھی جس کا سبب یہ ہے کہ م س 15ء کے وفاقی بجٹ میں ٹریکٹروں پر جزل سیزنگس 10 فیصد کر دیا گیا جو م س 14ء میں 16 فیصد تھا۔ زرعی طبقہ گزشتہ سال سے اس کا مطالبہ کر رہا تھا کیونکہ م س 13ء میں جی ایس ٹی 10 فیصد تھا جسے م س 14ء میں بڑھا کر 16 فیصد کیا گیا۔

م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران ٹرکوں کی

پیداوار گزشتہ سال کے اسی عرصے کے مقابلے میں خاصی بڑھ گئی (جدول 2.6)۔ تمام ٹریکٹر ساز اداروں نے اپنی پیداواری سطح بڑھادی جو تمام انواع کی طلب میں اضافے کا اشارہ تھا۔ صف اول کے ایک ٹریکٹر ساز ادارے جی ایچ این ایل نے پاکستان میں اپنا اسمبلنگ پلانٹ گندھارا ڈی ایف پرائیویٹ لمیٹڈ کے نام سے م س 14ء کی دوسری ششماہی میں قائم کیا ہے۔ ابتدا میں جی ایچ این ایل مکمل ساختہ یونٹ درآمد کر کے انہیں ملکی منڈی میں فروخت کر رہا تھا، لیکن ملکی منڈی سے مثبت رد عمل ملنے کے بعد اس کمپنی نے پاکستان میں اپنا پلانٹ قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔³⁰ جب ملک میں ٹریکٹر بننے لگے تو ان کی درآمد خود بخود کم ہو گئی۔³¹

اب جبکہ نومبر 2014ء میں حکومت پنجاب نے ”اپنا روزگار اسکیم“ شروع کی ہے تو ملکی بار بردار گاڑیوں (ایل سی وی) کی بھی پیداوار بہتر ہونے

27 م س 14ء کے دوران انڈس موٹرز کی پیداوار میں 14.5 فیصد کمی آئی جس کا سبب اس کے پرانے ماڈلوں کا بندرتیج خاتمہ ہے۔

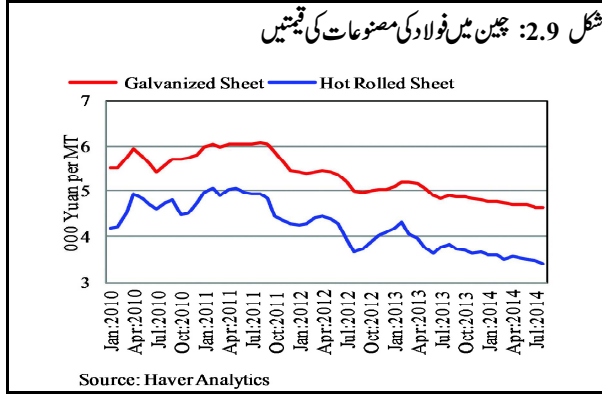
28 معلوم ہوا ہے کہ طلب کے امکانات کو دیکھتے ہوئے چین اور یورپ کے بڑے کار ساز اداروں جیسے بین الاقوامی فریقوں کی اس شعبے میں دلچسپی بڑھ رہی ہے۔

29 انڈس موٹرز کے نئے ماڈل کی آمد کو ہینڈ اسوک اور ہینڈ اسٹی کی پیداوار میں کمی کی وجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

30 ٹرک سازی کا کارخانہ پورٹ قاسم کراچی میں واقع ہے جہاں سالانہ ڈھائی ہزار ٹرک بنانے کی گنجائش ہے۔ اس ادارے نے م س 14ء کی دوسری ششماہی سے اپنی پیداواری سرگرمیاں

شروع کیں۔ <http://ghandharanissan.com.pk/24EAD16B-164F-4AE7-8E93-E804D59821DF/FinalDownload/DownloadId-930D403C77E13859A39B4072F087F928/24EAD16B-164F-4AE7-8E93-E804D59821DF/sep2013.pdf>

31 ٹرکوں کی جو درآمد جولائی تا اگست 2013ء میں 219 تھی وہ گزر جولائی تا اگست 2014ء میں صرف 171 رہ گئی۔



کی توقع ہے۔ اس اسکیم کے تحت حکومت پنجاب کا ارادہ ہے کہ مارکیٹ کے نرخوں سے کم نرخ پر پچاس ہزار گاڑیاں (سوزو کی بولان اور سوزو کی راوی) متوقع امیدواروں کو فراہم کرے۔³²

تعمیرات کی بنا پر فولاد اور سیمنٹ

میں نمو

متعدد بڑے تعمیراتی منصوبوں (مثلاً راولپنڈی تا اسلام آباد میٹرو، ملتان تا فیصل آباد موٹروے، اور

کے پی ٹی اور پورٹ قاسم،³³ اور توانائی کے شعبے میں انفراسٹرکچر کے بڑے منصوبوں) سے مستحکم نمو کے نتیجے میں مئی 2015ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران فولاد اور سیمنٹ کی طلب خاصی بڑھ گئی۔ فولاد کی پیداواری طلب کو کارسازی میں تیزی سے ہونے والے اضافے سے بھی سہارا ملا۔

مستحکم طلب کے علاوہ بعض رسدی پہلوؤں سے بھی فولاد کی پیداوار کو فائدہ پہنچا: پاکستان اسٹیل ملز نے حکومت سے ایک اور نیل آؤٹ پیکینج ملنے کے بعد اپنی سرگرمیاں پھر شروع کر دیں،^{34,35} اور فولاد کی گرتی ہوئی عالمی (خاص کر چین میں) قیمتوں نے درآمدی خام مال کی لاگت گھٹا کر ملکی صنعت کو مدد دی۔ دراصل چین میں تعمیراتی شعبے میں سست روی کے باعث فولاد کے نرخ وسط 2013ء سے متواتر گرے ہیں (شکل 2.9)۔³⁶ پاکستان میں تقریباً ایک تہائی خام مال (غیر بھرت اور بھرت والا فولاد) چین سے آتا ہے، اس کے نرخوں میں مسلسل کمی کے نتیجے میں مئی 2015ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران فولاد کی درآمدی اکائی قیمتوں میں اوسطاً 11.1 فیصد کمی آئی۔

تاہم اس کا فائدہ جزوی طور پر یوں زائل ہو گیا کہ مئی 2015ء کے بجٹ میں فولاد کی صنعت کے مختلف زمروں پر شرح محصول میں اضافہ کیا گیا۔³⁷ فولاد ساز اداروں نے اگرچہ یہ اضافہ صارفین کو منتقل کر دیا ہے،³⁸ بعض اداروں کا منافع پھر بھی کم ہوا ہے۔

مئی 2015ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران سیمنٹ کی پیداوار میں نمو بلند اساسی اثر کے باوجود پچھلے سال کی سطح پر رہی۔ بیشتر طلب ملکی منڈیوں ہی سے آئی، سیمنٹ کی برآمد 8.1 فیصد گر گئی جس کا اہم سبب افغانستان سے آنے والی سست طلب ہے (جدول 2.7)۔³⁹ تاہم بھارت کو سیمنٹ کی برآمد نان

³² سوزو کی بولان کار بھی جاتی ہے جبکہ سوزو کی راوی کو ایل سی وی مانا جاتا ہے۔

³³ پاکستان انٹرنیشنل بلک ٹریڈنگ کی تعمیر پورٹ قاسم اٹھارویں نے 2010ء میں شروع کی تھی، لیکن اسے بعد میں اندرونی تنازع کے سبب روک دیا گیا۔ کام کا دوبارہ آغاز مئی 2014ء میں ہوا۔

³⁴ حکومت نے پاکستان اسٹیل ملز کی تشکیل نو کا منصوبہ مئی 2014ء میں منظور کیا جس کی لاگت 18.5 ارب روپے ہے۔

³⁵ مئی 2015ء کی پہلی سہ ماہی میں فولاد کی مجموعی پیداوار میں پاکستان اسٹیل ملز کا حصہ 6.4 فیصد تھا جبکہ گذشتہ سال اسی عرصے میں یہ حصہ صرف 5.1 فیصد تھا۔

³⁶ <http://www.ft.com/intl/cms/s/0/cd91ea1e-5381-11e4-8285-00144feab7de.html>

³⁷ مثال کے طور پر: (i) سلیکون اسٹیل، پائپ ملز اور مسام دار (perforated) فولاد پر ڈیوٹی کی شرح صفر فیصد اور 5 فیصد سے بڑھا کر 10 فیصد کر دی گئی ہے، (ii) اسٹیل میلرز، ری رولر اور کپوزٹ یونٹس پر سلیکون 3 روپے فی یونٹ بجلی بڑھا کر 7 روپے فی یونٹ کر دی گئی۔

³⁸ مئی 2015ء کی پہلی سہ ماہی میں فولادی سلاخوں کے ایک اشارتی (indicative) زمرے کے نرخ گذشتہ سال کے اسی عرصے کے مقابلے میں 6.3 فیصد بڑھ گئے۔

³⁹ مئی 2015ء کی پہلی سہ ماہی میں افغانستان کو برآمدات 28.6 فیصد گر گئی جبکہ مئی 2014ء کی پہلی سہ ماہی میں 4.4 فیصد گری تھی۔

جدول 2.7: سینٹ کی ترسیل میں رجحانات - پہلی سہ ماہی					
ہزار میٹرک ٹن					
برآمدی ترسیل		مقامی ترسیل			
دیگر ممالک	بھارت	افغانستان	جنوب	شمال	
681	11	744	804	4,911	م 08ء
1,213	191	751	881	4,005	م 09ء
1,705	195	921	797	4,699	م 10ء
1,130	106	1,009	757	3,861	م 11ء
857	163	1,315	945	4,216	م 12ء
911	138	1,224	1,048	4,389	م 13ء
967	105	1,171	987	4,569	م 14ء
1,035	190	835	1,040	5,063	م 15ء

ماخذ: اے پی سی ایم اے

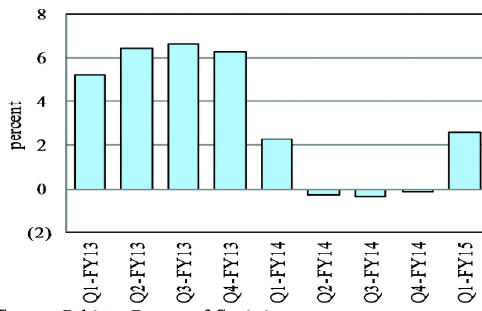
ٹیرف پیر میز (این ٹی بی) میں نرمی کے باعث خاصی بہتر ہو گئی۔ سینٹ ساز اداروں کے ساتھ ہماری گفت و شنید کے مطابق واگہ سرحد پر تیزی سے کلیئرس ملنے کی وجہ سے بھارت کے شمالی علاقوں کو برآمدات میں سہولت ملی ہے۔

مستحکم روپے نے شعبہ دوا سازی کو

سہارا دیا

م 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران دوا سازی کی پیداوار میں 2.6 فیصد نمو ہوئی جبکہ گزشتہ تین سہ ماہیوں میں یہ پیداوار متواتر گری تھی (شکل

شکل 2.10: دوا سازی کی پیداوار - سال بسال فرق



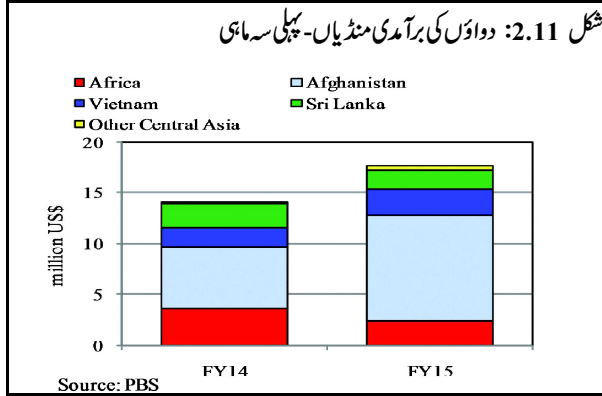
Source: Pakistan Bureau of Statistics

2.10)۔ اس کا بنیادی سبب مارچ 2014ء سے پاکستانی روپے کا نسبتاً استحکام ہے۔ جولائی تا فروری 2014ء کے دوران روپے کی قدر میں تیزی سے کمی نے صنعت دوا سازی کو بری طرح متاثر کیا تھا کیونکہ اس کا بیشتر انحصار درآمدات پر ہے۔ نیز، ڈرگ ریگولیٹری اتھارٹی آف پاکستان نے نومبر 2013ء میں کئی دواؤں کی قیمت بڑھادی تھی، اس اضافے سے بھی دوا ساز اداروں کو اہم سہارا ملا تھا۔⁴⁰ اس سب سے قطع نظر، ایک باضابطہ ڈرگ

پالیسی کے اعلان کا اب بھی انتظار ہے تاکہ دواؤں کی قیمت بندی کے حوالے سے غیر یقینی صورتحال کو ختم کیا جائے۔

پاکستان میں دوا سازی کا خام مال دستیاب نہیں چنانچہ اس مال کی برآمد پر بھاری انحصار کرنا پڑتا ہے۔ صرف چند کمپنیاں ایسی ہیں جو بنیادی اجزاء تیار کرتی ہوں۔ حتمی تجربے میں پاکستان دوائیں درآمد کرنے والا ملک ہے، م 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران مجموعی درآمدی بل کا 1.7 فیصد دوائیں منگوانے پر استعمال ہوا۔ پاکستان تیار شدہ دوائیں بھی درآمد کرتا ہے جس کی وجوہات یہ ہیں: (i) دواؤں کی ملکی پیداوار کے لیے رجسٹریشن کی سست رفتاری، (ii) اسمگلنگ کے ذریعے سستی متبادل دواؤں کی بہتات، اور (iii) عالمی منڈی میں ایسے خام مال کا نہ ملنا جو پیٹنٹ کے تحت محفوظ دواؤں کے لیے درکار ہوتا ہے۔

40 ایس آراء 2013ء/ (1) 1002 تاریخ 27 نومبر 2013ء۔ اگرچہ حکومت پاکستان نے قیمت میں یہ اضافہ واپس لے لیا تاہم سندھ ہائیکورٹ نے دوا ساز اداروں کی تنظیم کی استدعا پر پرانا فیصلہ بحال کر دیا۔



دوسری جانب م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران ملک کی دواؤں کی برآمد 15.6 فیصد بڑھ گئی جس کا بنیادی سبب اکائی نرخوں میں ہونے والا اضافہ ہے۔ پاکستان کی بیشتر ادویات افغانستان، ویت نام، سری لنکا اور افریقہ کو برآمد کی جاتی ہیں (شکل 2.11)۔ تاہم افریقی ملکوں کی یہ برآمدی منڈی اب بھارت کے قبضے میں آ گئی ہے کیونکہ ان ملکوں نے دواؤں کے سخت معیار کا مطالبہ کیا ہے۔ واضح رہے کہ ایک بھی پاکستانی دوا ساز ادارہ ایف ڈی اے سے منظور شدہ مینوفیکچرنگ پلانٹ کا حامل نہیں اور بیشتر ممالک شرط عائد کرتے ہیں کہ ایسے پلانٹ کی موجودگی دواؤں کی برآمد کے لیے لازمی ہے۔⁴¹

گرتی ہوئی عالمی قیمتوں کی بنا پر چائے کی پیداوار بڑھ گئی م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران چائے کی پیداوار میں 21.1 فیصد کا تیز رفتار اضافہ ہوا جو گذشتہ سال اسی عرصے میں 7.1 فیصد تھا۔ چائے کی پیداوار گذشتہ چند سال سے بڑھ رہی ہے کیونکہ چائے ساز اداروں کی توجہ مارکیٹنگ، برانڈنگ اور اپنے تقسیمی نیٹ ورک میں توسیع پر بڑھتی جا رہی ہے۔ پاکستان میں چائے سازی کا مطلب ہوتا ہے درآمدی چائے کی بلیٹنگ اور پیکیجنگ۔ سیاہ چائے کا ایک بڑا سپلائر کینیا ہے، م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران پاکستان میں سیاہ چائے کی مجموعی درآمد میں جس کا حصہ تقریباً 64 فیصد ہے۔ گذشتہ سال سے چائے کی عالمی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے اس صنعت کو مزید ترقی ملی، 2014ء میں چائے کی عالمی قیمتیں سات سال کی پست ترین سطح تک گر گئیں اور وہاں بھی رک نہیں رہیں۔ اس سے ملکی منڈی میں چائے کی درآمد اور پیداوار کی حوصلہ افزائی ہوئی (شکل 2.12)۔⁴²

2.4 خدمات

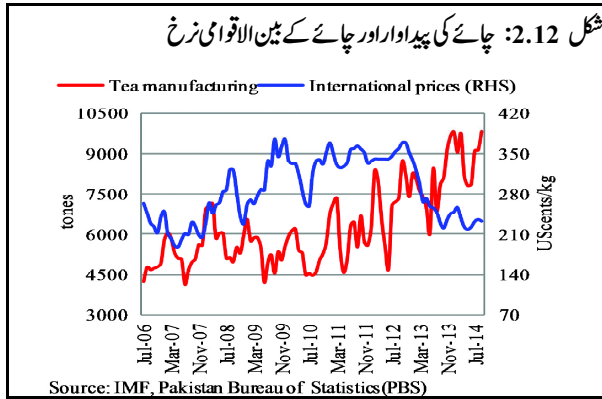
م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران بحیثیت مجموعی خدمات کے شعبے کی کارکردگی ملی جلی معلوم ہوتی ہے۔ مالیات اور بیمہ، اور ٹیلی مواصلات نے گذشتہ سال کی نسبت بہتری دکھائی ہے تاہم اجناس پیدا کرنے والے شعبے میں آنے والی کمزوری سے تھوک و خردہ تجارت متاثر رہی۔

مالیات اور بیمہ

بینکوں کی کارکردگی میں زیر جائزہ عرصے کے دوران نمایاں بہتری آئی۔ 2014ء کے ابتدائی نو ماہ کے دوران قبل از ٹیکس منافع بڑھ کر 176 ارب روپے ہو گیا جو گذشتہ سال کے اسی عرصے کے مقابلے میں تقریباً 44 فیصد زائد ہے۔ نفع یابی کے اہم اظہار یہ مثلاً اثاثوں پر منافع اور ایکویٹی پر منافع بھی گذشتہ سال کی نسبت بہتر ہو گئے (جدول 2.8)۔

⁴¹ یونائیٹڈ نیشنز ورلڈ رگ اتھارٹی (ایف ڈی اے)

⁴² م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران چائے کی درآمدی مقدار میں گذشتہ سال کے اسی عرصے کی نسبت 35.7 فیصد اضافہ ہوا۔



آمدنی میں اس نمو کی وجہ بلند سودی آمدنی تھی خصوصاً اس لیے کہ طویل مدتی سرکاری بانڈز پر منافع بڑھ گیا تھا۔ بینکوں کی مجموعی سودی آمدنی کا بڑا حصہ اب سرمایہ کاریوں پر ہونے والے منافع پر مشتمل ہے، جیسا کہ شکل 2.13 سے ظاہر ہے۔ بینک مالیاتی خسارے کی مالکاری کی خاطر گزشتہ پانچ سال سے اپنی رقوم سرکاری تمکات میں یعنی ٹی بل پر اور حال میں پی آئی بی پر زور و شور سے لگاتے آئے ہیں۔ یہ الفاظ دیگر بینکوں کی بلند نفع یابی کو بھاری مالیاتی خسارے سے براہ راست سے جوڑا جاسکتا ہے۔

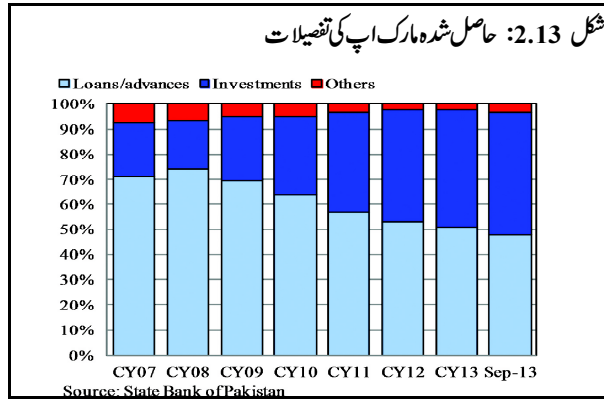
جدول 2.8: مالی اسباب کے اظہار					
ستمبر 14ء	جون 14ء	مارچ 14ء	2013ء	ستمبر 13ء	
15.5	15.1	14.8	14.9	15.5	کفایت سرمایہ
9.0	8.8	8.9	9.0	9.3	سرمایہ پر نسبت مجموعی اثاثہ
13.0	12.8	13.4	13.3	14.3	غیر فعال قرضے پر نسبت قرضے (خام)
3.2	2.9	3.3	3.4	3.8	غیر فعال قرضے پر نسبت قرضے (خالص)
2.2	2.1	1.9	1.6	1.7	اثاثوں پر منافع (قبل از ٹیکس)
28.0	27.2	24.7	21.0	21.0	ایکویٹی پر منافع (قبل از ٹیکس)
48.2	47.7	49.2	49.5	48.7	قرضے پر نسبت امانت
ماخذ: اسٹیٹ بینک آف پاکستان					

بینکوں کے اثاثوں کے معیار میں آنے والی بہتری ان کی نفع یابی کی وضاحت کرنے والا ایک اور عامل ہے، کیونکہ تنوین کے اخراجات کم رہنے سے مجموعی صورتحال بہتر ہوئی ہے۔ بینکوں کے غیر فعال قرضے پر نسبت قرضہ جات کا تناسب م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران صرف 13 فیصد رہا جبکہ گزشتہ سال

یہ 14.3 فیصد تھا، جیسا کہ جدول 2.9 میں دکھایا گیا ہے۔ یہ بہتری وسیع الہیاد تھی، تقریباً تمام معاشی زمروں کے متعدد قرضوں میں کمی آئی۔

ٹیلی مواصلات

سیلولر کمپنیوں کو تھری جی/فور جی کی نیلامی کے بعد م س 15ء کی پہلی سہ ماہی، پہلی سہ ماہی تھی۔ یوفون، موبی لنک اور ٹیلی نار نے تھری جی لائسنس حاصل کیے، جبکہ زونگ و احد فرم تھی جس نے تھری جی اور فور جی، دونوں لائسنس لیے۔ اس طرح پاکستان کی ٹیلی مواصلاتی صنعت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے جس میں سیلولر فرمیں اپنے صارفین کو آواز کے بہتر معیار کے ساتھ ساتھ تیز رفتار موبائل انٹرنیٹ کی بھی سہولت دے سکتی ہیں۔ ٹیلی مواصلات کے ادارے مسابقتی نرخوں پر نئے ڈیٹا پیکیج کی مارکیٹنگ زور و شور سے کر رہے ہیں۔ صارف اب اپنا موبائل فون ویڈیو کانفرنس، جدید انداز میں گاڑی کی تعین سمت (navigation)، ویڈیو اسٹریمنگ، آن لائن خریداری، اور دیگر بہت سی سہولتوں کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ ہر فرم اپنی حکمت عملی کے ساتھ کام کر رہی ہے: بعض فرمیں لامحدود رفتار کے ساتھ ڈیٹا خدمات دے رہی ہیں، جبکہ بعض نے ان خدمات کو فیس بک اور ٹویٹر وغیرہ جیسی سوشل میڈیا سروسز کے ساتھ منسلک کر دیا ہے۔



جدول 2.9: غیر فعال قرضے پر نسبت قرضے زمرہ دار

فیس	ستمبر 13ء	دسمبر 13ء	جون 14ء	ستمبر 14ء
کارپوریٹ سیکٹر	15.1	13.4	13.6	13.6
ایس ایم ای	38.7	32.3	33.9	35.7
زراعت	17.6	14.0	14.8	16.0
شعبہ صارف	14.8	13.6	12.4	12.3
اجتاسی مالکاری	1.0	1.1	0.8	1.0
اسٹاف لون	1.4	1.5	1.5	1.5
دیگر	10.4	8.9	8.0	7.6
مجموعہ	14.3	13.0	12.8	13.0

ماخذ: اسٹیٹ بینک آف پاکستان

سیلولر فرموں کو قدر اضافی کی خدمات سے اپنی آمدنی بڑھانے کا بہترین موقع ملا ہے خاص طور پر اس لیے بھی کہ فرموں کے مابین نرخوں پر سخت مسابقت پائی جاتی ہے اور یہ بے حد مشکل ہے کہ محض بنیادی خدمات فراہم کر کے وہ اپنی آمدنی بڑھائیں۔ م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران ان فرموں کی کارکردگی سے صورتحال عیاں ہے۔ مثال کے طور پر ٹیلی نار کے ایک صارف سے اوسط آمدنی سہ ماہی کے دوران بدستور گرتی رہی، جس کے باعث اس کی مجموعی سیلولر آمدنی 0.5 فیصد سال بسال کم ہو گئی۔⁴³ فی صارف اوسط آمدنی (average revenue per user-ARPU) م س 14ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران ماہانہ 206.5 روپے تھی جو م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران کم ہو کر ماہانہ 177 روپے رہ گئی۔⁴⁴ تاہم بڑھتی ہوئی نان سیلولر آمدنی نے اس کمی کا ازالہ کر دیا جو سہ ماہی کے دوران 45.3 فیصد بڑھی۔ اس کے نتیجے میں ٹیلی نار نے گزشتہ سال کے مقابلے میں 27.7 فیصد زائد آپریٹنگ منافع کمایا۔

اسی طرح موبائی لنک کی فی صارف اوسط آمدنی بھی کم ہوئی، م س 14ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران یہ ماہانہ 229 روپے تھی جو م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران گر کر ماہانہ 195 روپے رہ گئی۔⁴⁵ ٹیلی نار کی طرح موبائی لنک کی ڈیٹا سے آمدنی بھی زیر جائزہ عرصے میں نمایاں طور پر بڑھی، اور تھری جی اور موبائل مالی خدمات کی بنا پر اس میں سال بسال 40 فیصد نمو ہوئی۔

یہ شعبہ نمو کے زبردست امکانات کا حامل ہے۔ اکثر فرمیں اپنے نیٹ ورک کو جدید تر شکل دینے پر سرمایہ لگا رہی ہیں۔ یہ حقیقت حالیہ برسوں میں ٹیلی مواصلاتی مشینری اور ڈیٹا پراسیسنگ یونٹوں کی درآمد میں تیزی سے اضافے سے ظاہر ہے۔ م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران موبائی لنک

⁴³ ٹیلی نار پاکستان کے مالی نتائج اس کی ہیئرینٹ کپنی کی ویب سائٹ پر موجود ہیں جنہیں اس پتے پر دیکھا جاسکتا ہے: <http://www.telenor.com/investors/>

⁴⁴ م س 14ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران فی صارف اوسط آمدنی 12 ٹاروٹھین کروڑ تھی جو م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران گر کر 11 ٹاروٹھین کروڑ رہ گئی۔

⁴⁵ مالی نتائج موبائی لنک کی ہیئرینٹ کپنی VimpeCom کی ویب سائٹ پر موجود ہیں جنہیں اس پتے پر دیکھا جاسکتا ہے:

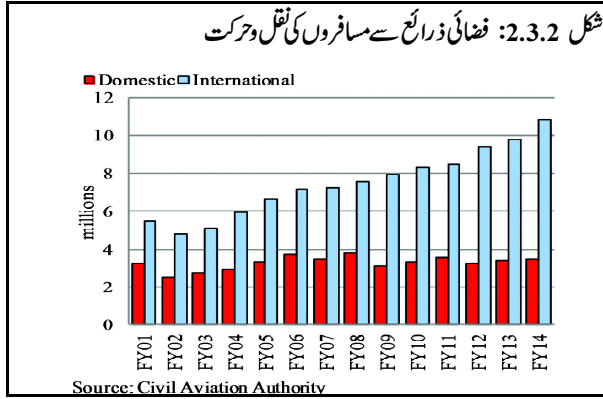
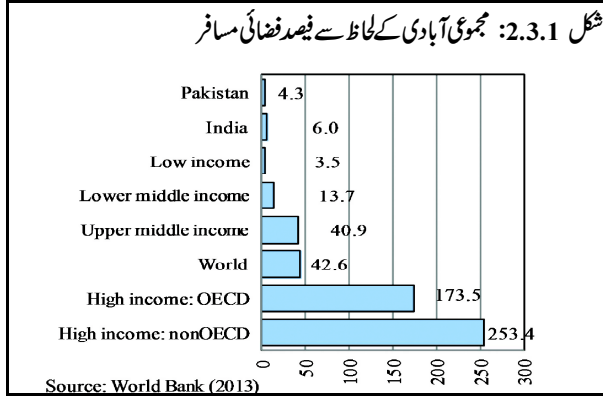
<http://www.vimpelcom.com/#Investor-relations/Reports--results/Results/>

اور ٹیلی نار کے سرمایہ جاتی اخراجات بالترتیب سال بسال 87 فیصد اور 67 فیصد بڑھ گئے۔ پاکستان کے ٹیلی مواصلاتی شعبے کی ترقی سے بینکاری نظام نے بھی استفادہ کیا ہے۔ گذشتہ پانچ سال کے دوران موبائل بینکاری میں تیز رفتاری سے اضافہ ہوا ہے، پہلے سے زیادہ صارفین اپنے یوٹیلٹی بلوں کی ادائیگی، بین الینک رقوم کی منتقلی، اور بین الشہر ترسیلات کے لیے اپنے موبائل فون استعمال کر رہے ہیں۔ موبائل فون کے ذریعے لین دین کی تعداد صرف م س 14ء میں 1.6 ملین رہی جن میں مجموعی طور پر 67.2 ارب روپے کا تبادلہ ہوا۔ تاہم مارکیٹ کے تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ اس شعبے کے مزید پھیلاؤ میں ایک بڑی رکاوٹ ٹیکسوں کی بلند سطح ہے۔ پاکستان ٹیلی مواصلات کی عالمی مارکیٹوں میں ان تین سرفہرست ملکوں میں سے ایک ہے جہاں موبائل فون کے استعمال پر بھاری ٹیکس عائد ہیں (موبائل فون خریدنے، سبسکرپشن، اور انٹرنیٹ پر ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں)۔⁴⁶ موبائل آپریٹروں کے عالمی نمائندہ ادارے جی ایس ایم اے کی رائے ہے کہ موبائل فون کے استعمال پر بلند ٹیکس ڈیجیٹل شمولیت، آپریٹر کی سرمایہ کاری، جی ڈی پی نمو، اور بالآخر ٹیکس محاصل میں نمو کو گھٹا دیتے ہیں۔

جہاں تک پی ٹی سی ایل کا تعلق ہے، م س 15ء کی پہلی سہ ماہی کے دوران اس کی مالی صورتحال مایوس کن رہی۔ ادارے کی خالص آمدنی گذشتہ سال کے مقابلے میں 3.9 فیصد کم ہو گئی۔ اس کے علاوہ مجموعی لاگت میں تیزی سے ہونے والے اضافے نے ادارے کی نفع یابی کو خاصا کم کر دیا۔ مختلف عوامل اس صورتحال کا سبب ہیں، مثلاً مارکیٹنگ اور خدمات کی فراہمی کی لاگت تیزی سے بڑھنا، ایل ڈی آئی آپریٹنگز کی تخفیف، اور سب سے بڑھ کر لاہور میں پی ٹی سی کے ایک بڑے آپریشن میں آتشزدگی کا واقعہ جس کی وجہ سے ادارے کی براڈ بینڈ اور لینڈ لائن خدمات میں تاخیر پر متاثر ہوئیں۔ صرف آتشزدگی سے ادارے کو 776 ملین روپے نقصان ہوا۔ تاہم ان ناسازگار واقعات کے باوجود ادارے نے اپنی انتظامی مالی لاگت محدود رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔

ٹرانسپورٹ

م س 15ء کی پہلی سہ ماہی میں تجارتی حجم بڑھنے سے بندرگاہوں پر کارگو ہینڈلنگ بہتر ہوئی چاہے تھی تاہم خدشہ ہے کہ پی آئی اے اور پاکستان ریلوے جیسے سرکاری ادارے م س 15ء میں خسارے میں جائیں گے۔ رواں مالی سال کے بجٹ میں حکومت پاکستان نے اندازہ لگایا ہے کہ پاکستان ریلوے کو 37 ارب روپے خسارہ ہوگا۔ دوسری طرف مالی سال کی پہلی ہی سہ ماہی میں پی آئی اے 10.7 ارب روپے خسارہ دے چکا ہے، تاہم واضح رہے کہ یہ خسارہ گذشتہ مالی سال کی پہلی سہ ماہی کے خسارے 13.6 ارب روپے سے کم ہے۔ اس بہتری کی وجہ یہ ہے کہ جیٹ طیارے کے ایندھن کی عالمی قیمتیں گر رہی ہیں چنانچہ پی آئی اے پر ایندھن کی لاگت کم آئی۔ نیز، پی آئی اے نے ایندھن کفایت سے استعمال کرنے والے طیارے حال میں اجارے پر لیے ہیں جس سے اس کے اخراجات کم ہوئے ہوں گے۔ پی آئی اے کو سنجیدہ نوعیت کی ادارہ جاتی اصلاحات کی ضرورت ہے جس میں زمینی عملے کی تعداد گھٹانے سے لے کر خسارے میں جانے والی پروازیں بند کرنے تک کے اقدامات شامل ہوں، بصورت دیگر ادارے کا بزنس سکڑتا چلا جائے گا اور منڈی میں اپنا حصہ کم ہوتا جائے گا (باکس 2.3)۔



بکس 2.3: شعبہ شہری ہوا بازی
اقتصادی ترقی اور نمو کے عمل میں شعبہ شہری ہوا بازی کی اہمیت جانی پہچانی ہے۔ فضائی نقل و حمل کے کارگر ذرائع مندرجہ ذیل طریقوں سے اقتصادی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں: (i) دور دراز علاقوں سے رابطہ استوار ہوتا ہے، (ii) سامان اور مسافروں کی نقل و حرکت میں لگنے والا وقت اور لاگت کم سے کم ہو جاتی ہے، (iii) مارکیٹ تک اشیاء سازوں اور صارفین کی رسائی بڑھ جاتی ہے۔ بد قسمتی سے پاکستان فضائی رابطوں کے ذریعے عالمی ارتباط (global connectivity) کا فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ تازہ ترین اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں فضائی ٹرانسپورٹ عام ہونے کی سطح بہت کم ہے۔ پاکستان ہمسر علاقائی ملکوں کے علاوہ کئی ان ملکوں سے بھی بہت پیچھے ہے جن کی آمدنی پاکستان کے برابر ہے (شکل 2.3.1)۔

گذشتہ برسوں کے دوران پاکستان میں پیشتر فضائی ٹرانسپورٹ بین الاقوامی پروازوں کے مسافروں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے چلائی گئیں (شکل 2.3.2)، جبکہ ملکی مسافروں کی نقل و حرکت خاصی محدود رہی ہے۔ 47 اس وقت ملکی پروازوں کے لیے چار اہز لائیں کام کر رہی ہیں، جن میں سرکاری ملکیت کی پی آئی اے، اور تین نجی ادارے ایئر بلو، شاہین ایئر انٹرنیشنل، اور انڈس ایئر ہیں۔ سب سے بڑے فضائی بیڑے کی حامل پی آئی اے مسافروں اور سامان کی نقل و حمل میں کئی سال سے سب سے آگے ہے، تاہم حال میں اس کے برٹس کا کچھ حصہ نجی فضائی کمپنیوں، خصوصاً شاہین ایئر کے پاس چلا گیا ہے (شکل 2.3.3)۔⁴⁸

قومی فضائی کمپنی کے کم ہوتے ہوئے حصے کی ذمہ داری اس کی عملی کارگزاری، محدود پروازوں، اور کم ہوتی ہوئی آمدنی پر عائد ہوتی ہے۔ قرضوں پر مالی ضمانت، اور براہ راست رقوم کی فراہمی کی صورت میں مسلسل حکومتی تعاون کے باوجود کارپوریشن مسلسل خسارے کا شکار ہے۔ تاہم حال ہی میں پی آئی اے نے اخراجات کم کرنے کی بعض صورتیں اپنائی ہیں (جیسے ایندھن بکفایت استعمال کرنے والے طیاروں کا حصول) جس سے خسارہ کم ہوا ہے۔ 2014ء کے پہلے نو ماہ کے دوران پی آئی اے کا خسارہ 20.9 ارب روپے رہا جبکہ 2013ء کے اسی عرصے کے دوران 32 ارب روپے خسارہ ہوا تھا۔⁴⁹

جہاں تک بین الاقوامی پروازوں کا تعلق ہے، حالیہ برسوں میں مسافروں کی نقل و حرکت کارخانہ نمایاں طور پر بڑھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب پہلے سے زیادہ پاکستانی کاروبار اور تفریح دونوں کے لیے بیرون ملک جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر حالیہ برسوں میں پہلے سے زیادہ پاکستانی ملازمت کے لیے بیرون ملک، خصوصاً خلیجی ممالک جا رہے ہیں۔ تاہم بد قسمتی سے سلامتی کے حوالے سے بڑھتے ہوئے خطرات (مثلاً بین الاقوامی ایئر پورٹس پر حملے) کی بنا پر کئی غیر ملکی فضائی کمپنیوں نے پاکستان میں اپنے آپریٹرز روک دیے ہیں، سنگاپور ایئر لائنز، کیٹھے پیٹنگ، ایئر انڈیا،

47 ملکی مسافرانہ نسبت مجموعی ملکی آبادی میں 01ء میں 2.2 فیصد تھا جو گر کر 14ء میں 1.87 فیصد رہ گیا۔ ملکی مسافروں نے فضائی ذرائع سے سفر کم اس لیے کر دیا کہ اندرون ملک سفر کی غرض سے متبادل ذرائع نقل و حمل ان کے لیے دستیاب ہیں مثلاً ریلوے اور سڑکیں۔

48 شاہین ایئر کا حصہ 07ء میں 5.2 فیصد تھا جو 14ء میں بڑھ کر 24.2 فیصد ہو گیا۔

49 اقتصادی رابطہ کمیٹی کے اجلاس منعقدہ فروری 2013ء میں حکومت نے پی آئی اے کو مالی تعاون دینے کا فیصلہ کیا۔ اجلاس نے نہ صرف حکومتی ضمانتوں میں توسیع کی منظوری دی بلکہ مالیاتی استعداد کے لیے 12 ارب روپے، اور تنگ جسامت والے طیارے ڈرائی لیز پر لینے کے لیے 46 ملین ڈالر بھی مختص کیے۔

سوئس ائرز، چند مثالیں ہیں۔ چنانچہ بین الاقوامی سفر کارخانہ بڑھنے کے باوجود پاکستان میں پہلے سے کم فضائی کمپنیاں کام کر رہی ہیں: 2007ء میں پاکستان میں 23 غیر ملکی فضائی کمپنیوں کے آپریشنز تھے، 2014ء میں یہ تعداد گھٹ کر صرف 16 رہ گئی ہے۔ ان میں سے 11 خلیج تعاون کونسل کے ملکوں کی ہیں۔ جو فضائی کمپنیاں پاکستان میں کام کرنے کو تیار ہوتی ہیں انہیں سلامتی کے خدشات کی بنا پر تیسے کی بھاری لاگت برداشت کرنی پڑتی ہے۔

فضائی مسافت کے علاوہ سامان کی فضائی نقل و حمل بھی کوئی قابل ذکر نمونہ کھانے میں ناکام رہی ہے، کم لاگت والے متبادل ذرائع مثلاً بحری جہاز اور بندریہ سڑک نقل و حمل کی موجودگی میں یہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ فضائی کارگو قابل قدر حصہ حاصل کر سکے۔ ساز و سامان کی پیشتر بین الاقوامی نقل و حرکت اس وقت بحری جہازوں کے ذریعے ہو رہی ہے جبکہ زیادہ تر ملکی نقل و حمل ٹرکوں کے ذریعے روڈ ٹرانسپورٹ سے ہوتی ہے۔

ماخذ: سول ایوی ایشن اتھارٹی، شاہین ائرز اور پی آئی اے ویب سائٹ۔

